بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ردیف الف)

۱

یاں فہم کا کچھ دخل نہ کچھ فکر رسا کا
ہر برگ میں ہر پھول میں جلوہ ہی خدا کا

سبحانک سبحانک یا خالق احمد
میں کون ہوں دعوی جو کروں تیری ثنا کا

وہ نور بنایا کہ فرشتوں میں ہی اب تک
غل صل علے صل علے صل علے کا

ہر شی سے مبرا ہی تری ذات مقدس
نے زن ہی نہ فرزند نشاں نے شرکا کا

ای قبلۂ حاجات دو عالم یہ دعا ہی
ہو مجھ کو قلق غم سے ترے قبلہ نما کا

ہیں دشمن ایمان یہ صنم مجھ کو بچانا
دیکھو نہ کبھی شوق نہ مجھے ان کی جفا کا

شوخی وہ غضب غمزہ یہ آفت وہ ستم ناز
یاں صبر کی کیا تاب جو لے نام وفا کا

عاشق کی منہ سے آنکھ نظر بھی نہ کریں اور
بے دید کریں عذر شکایت یہ حیا کا

نسبت دل کافر کو نہیں خال سیہ سے
ہر پیچ و خم کاکل پر خم ہی بلا کا

ابرو کا اشارہ ہی پئے قتل مسلماں
ہرچند پکارا کرے بندہ ہوں خدا کا

رفتار سے پامال ہو صوفی کا بھی دل آہ
انداز ہی اس طرح کا ہی جنبش پا کا

اصغر کو چھٹا جور و ستم سے کہیں ان کے
جلدی اسے اثر ہووے جو ہونا ہی دعا کا

سب غلط ہی سب کا کیوں تو امتحاں لینے لگا
دل لیا تھا کب رقیبوں سے کہ جاں لینے لگا

کیا جلایا ہی مجھے اس آہِ عالم سوز نے
انتقام اک جان سے سارا جہاں لینے لگا

بوالہوس نے عاشقِ بادِ صبا سمجھا مجھے
ہیں جو بوئے طرۂ عنبر فشاں لینے لگا

ہوگئے لب نیلگوں ہمدم نزاکت دیکھنا
خواب میں بوسے جو شب بہ نیجاں لینے لگا

ہیں موا اس وہم سے جاگا نہ ہو شب کو کہیں
صبح جو وہ مستِ ناز انگڑائیاں لینے لگا

کوچۂ جاناں میں پھر دفن لی ہم نے جگہ
ہول کوے غیر میں جب وہ مکاں لینے لگا

دیکھنا ربطِ نہاں دشمن کا اس الفت پہ بھی
مجھ سے پیمانِ وفا وہ بدگماں لینے لگا

گر ہوا سے ہل گیا ہووے تو کہہ سکتا نہیں
آپ کا بیمارِ غم کروٹ کہاں لینے لگا

مجھ کو آتی ہیں دلِ دشمن میں لینی چٹکیاں
لیک جب چاہا کہ لوں وہ چٹکیاں لینے لگا

نالہائے متصل سے دم جو آیا ناک میں
دامِ طرزِ جور اُن سے آسماں لینے لگا

صاف مے سے دردکش کو اس قدر رغبت کہاں
ہیں پیالہ غیر سے کیوں مہرباں لینے لگا

جاں فزا شیریں کلامی ہو نہایت ان دنوں
مُنہ میں اختر کس شکر لب کی زباں لینے لگا

جنگ میں ہم نے کب کیا اُن سے بچاؤ جان کا
صلح ہوئی پر اب کیا قصد ہی امتحان کا

سینہ میں ہو خدنگِ ناز اے دلِ زار دیکھنا
ہو نہ دقیقہ واگزاشت خاطرِ میہمان کا

پوچھے کوئی کہ روشناس اُس سے ہی تو تو کیا کہو
کھو کے دل اپنا آپ میں چور بنا جہان کا

وصل ہی جلد لا شراب ہجر میں توبہ کی تو کیا
تھا ہذیان اور اعتبار اپنی نہ تھا زبان کا

آئے وہ جان کی نثار مر گئے آگیا قرار
یمن قدم سے یار کے سود ہوا زیان کا

محو جفا سمجھ کے یار کھینچے نہ تا ستم سے ہاتھ
کرتے ہیں ہم فریب سے غلغلہ الامان کا

عشق چھپا تو کیا چھپا آمد و شد ہی کوچہ میں
داغ گیا تو کیا گیا داغ رہا نشان کا

تیری ہی ہر جگہ ہی راہ ورنہ برنگ مہر و ماہ
مجھ کو پھرا ے در بدر حوصلہ آسمان کا

سجدہ در پہ تجھے کبھی بخت سے کچھ سو آج تک
ملنے میں اُن کو عذر ہی ذلت پاسبان کا

یونہی ہوا ای خدا تباہ جلد یہ چرخ پیر بھی
جیسے کیا تباہ حال اصغر نو جوان کا

(۴)

بعد تاثیر قلق کم قلق اپنا ہوگا
درد اگر درد نہ ہوگا تو مداوا ہوگا

کیا ہی بگڑیں گے وہ جب اور بھی اُن سا ہوگا
آئنہ دیکھنے بیٹھے ہیں تماشا ہوگا

بے طرح حسرت دیدار میں جوش آنا ہی
آج آنکھیں ہی نہ ہوویں گی جو رونا ہوگا

کیا تلاش ہی و مطرب ہیں پھر جا ہمدم
یہ تو ساماں سب اک دم میں مہیا ہوگا

دل پہ کیا جانیے کیا موے مژہ سے گذرے
خار سے جن کا نہ دامن کبھی اُلجھا ہوگا

شرم رہ جائے گی ان ہچکیوں کی پس مرگ
پردہ در گر نہ مرا نالۂ رسوا ہوگا

بار خاطر ہی نزاکت سے پہ رکھتا ہو وہ شوخ
میرا کینہ ہی مگر خاطر اعدا ہوگا

ہوگئے زندہ پے شکر شہیدان وفا
رنج قتل اب اُنھیں مقتل میں دوبارا ہوگا

حسرت وصل کی تاثیر بھی ہوگی تو بھی
گلۂ ولولۂ حوصلہ فرسا ہوگا

کھل گئی طینت ناصح نہ فزوں ہو کیوں عشق
جتنا کہتا ہی یہ بد اُتنا وہ اچھا ہوگا

میرے مضمون کمر یار سے نازک تر ہیں
اصغر اُس کو نظر آویں گے جو دانا ہوگا

(۵)

اُٹھا کبھی جو دل سے تو بالائے سر رہا
جو ہاتھ ایک شب تری زیر کمر رہا

ہی کس میں تاب لطف نہ کہا جان پند گو
نامہرباں نہیں جو جفا بیشتر رہا

تاثیر عشق بھی ہی ستم شب فغاں کے ساتھ
یاں دردِ دل رہا اُسے واں دردِ سر رہا

غفلت غرورِ حسن تساہل ہی اک ادا
معشوق رمز داں ہی اگر بے خبر رہا

باہم کبھی تو آج تلک لیکن اس طرح
میں گھر میں آستانہ پہ رختِ سفر رہا

برگشتہ بخت و آہ رسا نے ستم کیا
وہ مہرباں رہا مگر اغیار پر رہا

ناکامیوں سے کام نہ نکلے تو کیا کروں
غم میں کشش رہی نہ فغاں میں اثر رہا

اُن سے ستم شعار سے ارماں ہی چاہ کا
جان کا ہے کو رہے گی یہی دل اگر رہا

اصغر کمالِ عشق میں جز نقص کچھ نہیں
سچ ہی سپہر دشمنِ اہلِ ہنر رہا

۲

میں خوگرِ ستم وہ دل آزار ہوگیا
مرنا زیادہ جینے سے دشوار ہوگیا

گر خود فروش وہ ہیں تو ہم سر فروش ہیں
کیا جانے کون کس کا خریدار ہوگیا

آئیں گے آج وہ بھی کہ دروازہ خود بخود
وا میرے جذبِ دل سے کئی بار ہوگیا

لکھتا ہوں خط میں مصلحتہً شکر ای ندیم
اب واں رقیب محرمِ اسرار ہوگیا

دے چارہ گر شراب کہ بھولے غمِ فراق
پرہیز کرتے کرتے میں بیمار ہوگیا

غمازیہ سرشک ہی رونے سے فائدہ
ہونا جو تھا سو دیدۂ خونبار ہوگیا

ای رشکِ حور تو ہی وہ یوسف کہ تیرے ہاتھ
یوسف سا بک گیا جو خریدار ہوگیا

جس شب وہ جلوہ گر ہوئے وہ روز بن گئی
جس دن وہ گھر گئے وہ شبِ تار ہوگیا

یہ روئے ہم کہ دامنِ دلدار تر ہوا
وہ دے کے مے عدو کو گنہگار ہوگیا

اصغر ہی جذبِ عشق مگر کیا اُسے بلاؤں
گھر ازدحامِ شوق سے بازار ہوگیا

۷

سنگ در اُس کا اور مرا سر تھا
آسماں خاک اُس کے در پر تھا

شب جو وہ مہروش مرے گھر تھا
گھر کا سایہ تلک منوّر تھا

دل کو پامال کر دیا ناحق
ای بتو کچھ خدا کا بھی ڈر تھا

تم نے بھی شاید اپنے بوسے لیے
ورنہ کیوں آئنہ مکدّر تھا

ہو گئے فرشِ خاک اہلِ فلک
بام پر کون جلوہ گستر تھا

جان دیتی ہُو ان لبوں پر خلق
اب مسیحا کو رہنا دوبھر تھا

سرگزشت امتحاں کے بعد نہ پوچھ
تو نے جو کچھ کیا وہ بہتر تھا

صبر کس طرح آئے ای ناصح
اور ہی عالم آج اُس پر تھا

چرخ نے جور سے لیا نہ ہو دم
رات آیا وہ کیوں مرے گھر تھا

گزری خوش درد و غم کی اصغر تک
ایک ہی مرد دوست پرور تھا

۸

تھا اثر افغاں میں پر آخر مرا دم ہوگیا
ہائے کیا ہنگامۂ امید برہم ہوگیا

درد دل شوقِ نہاں گویا کہ دونوں ایک ہیں
وہ بڑھا تو یہ بڑھا وہ کم تو یہ کم ہوگیا

کل کیا ہُو اس نے وعدہ امتحانِ عشق کا
آج ہی سے خانۂ دشمن میں ماتم ہوگیا

چھوڑتے ہیں زندہ کوئی نالہائے متصل
دشمن اپنی جان کا الزام پیہم ہوگیا

پھٹ گیا دل پارے سے اب رات دن رونا کہاں
چاکِ دل ناسور دل پر میرے مرہم ہوگیا

دی مےِ پس خوردہ اُس نے آج میرے رشک سے
تھا جو جامِ جم وہ داغِ حسرتِ جم ہوگیا

قتل کرتا ہو وہ بت اصغر گمان سجدہ پر
بارِ خونِ آرزو سے سر زبس خم ہوگیا

(۹)

کیا باعثِ شادی غمِ آلام نہ ہوگا
وہ رم نہ کریں گے اگر آرام نہ ہوگا

ناکام بھی جیتے رہے ورنہ یہ یقیں تھا
مر جائیں گے گر بر میں وہ خود کام نہ ہوگا

پھر جائے گی آنکھ اُس کی اگر غیر سے تو کچھ
نقصان ترا گردشِ ایّام نہ ہوگا

دیوانگیِ شوق کے قربان کہ شبِ وصل
عاید میری جانب کوئی الزام نہ ہوگا

وہ پردہ نشیں ہی تو نہ کر آہ جہاں سوز
اصغر ترا کیا جائے گا گر نام نہ ہوگا

(۱۰)

جلد آ کہ عجب حال شبِ غم ہی ہمارا
دم آنکھ میں ہی سو بھی کوئی دم ہی ہمارا

پھر آتشِ الفت دلِ افسردہ میں بھڑکی
پھر جوش پہ اب دیدۂ پرنم ہی ہمارا

کیوں چھوڑ دیں اُس شوخِ ستم گار کو ناصح
مرنا تو مسلّم کہ مسلّم ہی ہمارا

یکجا ہیں شبِ ہجر و شبِ وصل سیہ مست
تغییر نہیں ایک سا عالم ہی ہمارا

تیری نگہِ لطف نہیں زیست ہی اپنی
تیرا سخن تلخ نہیں سم ہی ہمارا

دل کیوں نہ پھنسے کہتے ہیں کس ناز سے دیکھو
دل بند خمِ گیسوئے خوش خم ہی ہمارا

ہم مر چکے اور کہتے ہیں سب آنکھوں میں دم ہی
کیا حسرتِ نظارہ کو ماتم ہی ہمارا

اصغر ہمیں کیا کام زمانے میں کسی سے
ہم اور یہ افسوس پہ ہم ہی ہمارا

(۱۱)

ہیں جب سے محو ناز کہ روزِ ازل نہ تھا
پہلے ہمارے مرنے سے نامِ اجل نہ تھا

ربطِ نیاز و ناز سے ہیں کب نہ تھا دلیل
کب اُس کی جبہہ پر مرے سجدے سے بل نہ تھا

شب ہے حسن روز فزوں سے سیاہ تر
ہے آج وہ قلق مجھے ہمدم جو کل نہ تھا

عیسیٰ کو دیکھ مر گئے یاد آ گئے وہ لب
بچ جائے جس سے جان یہ ایسا خلل نہ تھا

کیا ہووے زخم دل کو تسلّی کہ چارہ گر
الماس کیا نمک بھی تو مرہم میں حل نہ تھا

پیہم تھے لطف اپنے ستانے کو غیر پر
غافل ہمارے حال سے وہ ایک پل نہ تھا

سینے میں دل کی جا غم دل پر ہزار شکر
اس سے زیادہ تو کوئی نعم البدل نہ تھا

وجہ دعائے زندگیِ مختصر نہ پوچھ
طولِ زماں تفرقہ طولِ امل نہ تھا

ہے جنگ نے اگر کی کا شب وصل شکوہ کیا
بیجا خفا نہ ہو سخن بر محل نہ تھا

شوخی سے تیری طبع کی آیا عدو کے ہاتھ
مضمون وصل ورنہ کبھی مبتذل نہ تھا

قاتل سے دل کو تھام کے کہنا تھا حال دل
اصغر زبان گنگ نہ تھی ہاتھ شل نہ تھا

قاتل سے ہے جو شوق سوال و جواب کا
ہے اضطراب آمدِ روزِ حساب کا

اے چرخِ پیر یار سے مجھ کو جدا نہ کر
ظالم مزا اُٹھانے دے باہم شباب کا

سب یاد ہیں عذابِ شبِ انتظار کے
واعظ مجھے فریب نہ دے تو ثواب کا

شرمندہ اس سے بیخودیِ ہجر نے کیا
غیروں کی ہے زبان پر افسانہ خواب کا

کیا لطف کیا ستم ہر ادا اُس کی خوب ہے
اے غیر انتخاب نہ کر انتخاب کا

پیہم طلب سے جام کے مجھ کو بھی رنج ہے
ساقی بھرا دے خم مرے منہ سے شراب کا

ظاہر ہے حسن یار مرے حالِ زار سے
ذرہ میں جلوہ گر ہے فروغ آفتاب کا

آنسو پیوں تو خوں ہو رواں چشم سے مگر
عالم ہے آبِ اشک میں خنجر کے آب کا

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
دشمن اُمیدوار ہے اُن کے عتاب کا

قرباں ہوں روز وصل تپاں ہوں شب فراق
اصغر نہ پوچھ حال مرے اضطراب کا

۱۳

کیا کروں سعی نہیں بخت رسائی کرتا
زنگ جمّازہ تھی کیوں ہرزہ درائی کرتا

دل فریبی کو ہو اظہار تمنّائے وصال
اب میں کیونکر گلۂ درد جدائی کرتا

زیر انگشت حنائی نہ نگاریں ناخن
آسماں خاک مری عقدہ کشائی کرتا

دیکھتا اپنے ہی خوں سے کف جاناں رنگیں
گر کبھی میں ہوس دست حنائی کرتا

ہوں میں وہ صید کہ رک رک کے نکل جاتا دم
کبھی صیاد اگر قصد رہائی کرتا

نازکی سے نہیں اپنی نگہ گرم کی تاب
کیا ہوسناک کو وہ چشم نمائی کرتا

ستم دوست سے ہے آہ فلک رس ورنہ
میں تو وہ تھا کہ عدو سے بھی بھلائی کرتا

سنگ و خار رہ الفت کا نہ کرا پس کوئی
رحم تجھ پر بھی ہے اے آبلہ پائی کرتا

سن کے فریاد گرفتار محبت کی ترے
دام میں مرغ چمن نغمہ سرائی کرتا

جاں نثاری کے سوا کچھ نہیں آتا اصغر
تھا تو زیبا جو تخلص بھی فدائی کرتا

۱۴

حال وحشت لکھا جو اصغر کا
ہوئی زنجیر تار مسطر کا

سر ہی اس در سے ہم رگڑ لیتے
آہ دربان نہ ایک دم سرکا

شب ہجراں میں بارے نیند آئی
سن کے افسانہ روز محشر کا

میرے اٹھنے سے ہاتھ اٹھا اے حشر
کہ ہوں جان دادہ اس کی ٹھوکر کا

رو رہا ہوں کہ غیر سے وہ ہنسے
غرق طوفاں ہوں آب گوہر کا

گلہ چرخ کو بتاتے ہو کفر
غش ہے واعظ کسی ستمگر کا

تم تو کہتے ہو پھر ملیں گے کبھی
یاں بھروسا نہیں ہے دم بھر کا

مجھ کو گھبرا کے ہو گیا خفقان
حالِ وحشت لکھا جو اصغر کا

۱۵

جوشِ طپش سے مرتے ہی دل کو قرار تھا
اپنا علاجِ دلِ الم اضطرار تھا

ناصح مری خطا نہیں تیری زباں کی طرح
کب اختیار میں دلِ بے اختیار تھا

اسرار میرے عشق کے سب تم نے کہہ دیے
ہوں کیوں نہ منفعل کہ عدو شرمسار تھا

ظالم ہے وقفِ سینۂ گل خوردہ روزِ ہجر
جو ہاتھ رات بھر تری گردن کا ہار تھا

مجھ کو نکال کر خلش اس گل کی کم ہوئی
کیا خارِ جسمِ غیر مرا جسمِ زار تھا

مرنے کے بعد شکر کہ آیا وہ بدگماں
یاں ہجر میں اجل کا بہت انتظار تھا

ہوتے ہی پائمال ہوئے سربلند ہم
کیا سازگار طالعِ ناسازگار تھا

سمجھے نہ وہ وگرنہ رقیبوں کے سامنے
شکر زباں زباں گلہ بار تھا

اِس نازکی پہ اُس سے تو ہرگز نہ ٹوٹتا
اصغر وفا کا عہد بھی ناپائدار تھا

۱۶

زبان بند ہوئی پر نہ اُس کا نام لیا
بلا سے جان گئی دل تو ہم نے تھام لیا

یہ نازکی کہ ہوا رنجہ ساعد و بازو
ذرا جو ہاتھ میں دامن دمِ خرام لیا

وہ جیسے دوسرے ملتا تھا مجھ سے ملتے ملے
کبھی نہ آپ نے دشمن سے انتقام لیا

کیا جو ذبح تو صیاد کا گناہ نہیں
وہ صید ہوں کہ نہ دم جس نے زیرِ دام لیا
ملاوں گا تری گردش کو خاک میں گردوں
کفِ رقیب سے گر اُس صنم نے جام لیا
دیا تو مال زلیخا سے بھی زیادہ ولے
یہ کیا مجال کہ ہم کہہ سکیں غلام لیا
ہر ایک نے لرزہ میں لاکھ آفتیں آئیں
مرے قلق نے زمیں سے فلک کا کام لیا
نیازِ غیر پہ بھی ناز خاک عجز کروں
میرا اسلام ہی کیوں غیر کا سلام لیا
پڑھ اصغر اور بھی مطلع کوئی کہ بہر ثنا
ہی روحِ میر نے زندوں سے نطق وام لیا

جو میں نے وقت دعا اُس صنم کا نام لیا
تو چھوڑ عرش ملائک نے دل کو تھام لیا

۱۷

دل میں فرطِ شوق سے ارماں سراسر رہ گیا
سر جھکایا میں نے قاتل ہاتھ اُٹھا کر رہ گیا
کہتے ہو جز غیر ہم کو کیا کسی سے کام ہی
کیوں نہ کھویں بے وفا پھر ہم کو کیا ڈر رہ گیا
کھو کے دل اس غم میں ہم کو کیا کسی سے کام ہی
پہلے تھا جس ہاتھ پر دل اب وہ دلبر رہ گیا
خوں ہی جاری آنکھ سے ترکِ وفا کے بعد بھی
چور زخمِ دل میں کچھ میرے مقرر رہ گیا
بخت برگشتہ نہیں پھرتے کسی سے کیا گلہ
آسماں بیچارہ کب گردش سے دم بھر رہ گیا
ہٹ گیا قاتل سمجھ کر مجھ کو کشتہ ہائے ہائے
کیوں تڑپنے سے نہ خنجر میں مضطر رہ گیا
بارِ غم کچھ مجملاً لکھا تھا میں نے اس پہ بھی
باندھتے ہی نامہ بازو سے کبوتر رہ گیا

سر پٹک کر توڑتے ہیں گھر کو اے اصغر جو آپ
خانۂ دشمن میں کیا مہمان دلبر رہ گیا

۱۸

دی غم سے گر ہی جان بھی کچھ غم نہ ہو سکا
ہم سے دلِ شہید کا ماتم نہ ہو سکا

مظروف کو گھٹا نہ سکی ظرف کی کمی
کاہش سے دل کی شوق مرا کم نہ ہو سکا

ہر دم ہمارے مرنے کا ہی رنج یار کو
دشمن حریف رنجشِ ہر دم نہ ہو سکا

کیا کیا کیے نہ پیچ پہ چھٹ کر کسی طرح
میں پاے بند کاکل پر خم نہ ہو سکا

غیر اول جفائیں ہوئے بے وفا تمام
کرتے تھے وہ جو یار وفا ہم نہ ہو سکا

عالم کو کیوں نہ بھولتے ہمدم کہ دل سے محو
اُس بے وفا کے حسن کا عالم نہ ہو سکا

لازم ہی پیش داغِ جگر دل وہی سپہر
روکش ذرا بھی نیّرِ اعظم نہ ہو سکا

سو بار انقلاب ہوا دہر کو مگر
اک روز روزِ تیرہ مرا کم نہ ہو سکا

وہ شوق یاں نہیں ہی کہ آ جائے دھیان میں
محرم ہمارے حال سے محرم نہ ہو سکا

گردن قلق سے ہم نے سہر شام کاٹ لی
کچھ انتظارِ مرگ شبِ غم نہ ہو سکا

کس التجا سے بیٹھ کے محفل سے اُٹھ گیا
اصغر حریف رشکِ پری ہم نہ ہو سکا

19

آسماں زیرِ زمیں افغاں سے ڈر کر ہو گیا
بات میں عالم تہ و بالا ستمگر ہو گیا

دامن قاتل کے ہاتھ آنے کی شادی کیا کہوں
دیکھ لو میں جامہ ہستی سے باہر ہو گیا

جاں نکلی حسرتِ دیدار میں دشوار تھی
مرتے دم اُس بت کے آنے کو میں کافر ہو گیا

آؤ مل جائیں وہی وعدے وفا کے پھر کریں
رنج با ہم کیا ہوا بیداد گر ہو گیا

صبح کی جائے گی شامِ وصل کیا کہتے ہو تم
موت سے پہلے جزا کا دن مقرر ہو گیا

غیر بیٹھا پاس اور مجھ کو اُٹھایا بزم سے
تھا کسی کا جرم اور ثابت کسی پر ہو گیا

ہم خدا سے چل کے فریادِ شبِ ہجراں کریں
آ کہیں جلدی سے تجھے کیا روزِ محشر ہو گیا

صفحہ صفحہ جزو جزو اور پارہ پارہ ہر ورق
منتخب نسخہ تھا دل افسوس ابتر ہو گیا

جان رو رو کر نہ دی گر دل گیا تو صبر کر
خیر جو قسمت میں تھا نقصان اصغرؔ ہو گیا

۲۰

عشق میں اک لالہ رو کے خطِ جاناں بڑھ گیا — لو خزاں میں سبزۂ طرفِ گلستاں بڑھ گیا
کیا کوئی پابندِ الفت اے مری جاں بڑھ گیا — آج کیوں پیچ و خمِ زلفِ پریشاں بڑھ گیا
ہے دلِ لرزاں مسردہ ضبطِ آہ و نالہ سے — اُف نہ کی تو بھی چراغِ زیرِ داماں بڑھ گیا
اشک کی جا آنکھ سے پیہم چلا آتا ہے خوں — کاوشِ مژگاں سے کس کی زخمِ پنہاں بڑھ گیا
مہر حیراں ہے کھڑا کس مہروش کو دیکھ کر — آج یارب اس قدر کیوں روزِ ہجراں بڑھ گیا
ہے خوشی سے دم بدم چہرے کی رونق اور کچھ — جس قدر غم سے گھٹا میں حسنِ جاناں بڑھ گیا
تھیں خلافِ طبع باتیں وحشت افزوں ہو گئیں — ناصحوں کے ہاتھ سے چاکِ گریباں بڑھ گیا

اصغرؔ از بس ہے جہاں میں نئی مضموں کی رسم
جب غزل میں نے کہی کتنوں کا دیوان بڑھ گیا

۲۱

بارے اغیار کو بھی جلوہ دکھانا چھوڑا — دیکھ کر در پہ مجھے بام پہ آنا چھوڑا
تھی غرض دید نہ اعزاز ہم اس محفل میں — دور جا بیٹھے اگر پاس بٹھانا چھوڑا
ہم نے چھوڑا انہیں سو بار نزاکت کے سبب — تم نے دامن نہ کبھی ہم سے چھوڑانا چھوڑا
آج پھر غیر سے محفل میں اشارہ ہے آہ — کل کہا تھا کہ تجھے ہم نے ستانا چھوڑا
کب یہاں تھا گزرِ غیر کہ ہوتے رُسوا — تم نے کس واسطے دل میں مرے آنا چھوڑا
اُس دلِ آزردہ سے دشنامِ عدو پر کیا پیچ — جس نے غصہ میں نہ گردن نہ زمانا چھوڑا
تیرے کوچے میں نہ وسواس کے کھٹکے پس گر — یہ ٹھکانے لگی محنت کہ ٹھکانا چھوڑا

ناتوانی سے نہ اُٹھتے ترے در سے لیکن
تھا ستم غیر کے اغوا سے اُٹھانا چھوڑا

کیا نہ ہوگی خبرِ وصلِ عدو باعثِ مرگ
ہم نے جاسوس عبث اصغرِ دانا چھوڑا

۲۲

اُس بزم تک گزر نہ ہوا جبکہ رو دیا
تو میری چشمِ تر نے مجھی کو ڈبو دیا

ظالم دیا تو کس بُتِ بے درد کو دیا
اصغر ہزار حیف کہ دل مفت کھو دیا

دل لیجے بوسہ دیجیے تکرار کب تلک
لینا ہو جو وہ لے لیا دینا ہو جو دیا

اُس کی نگاہ تیز تھی یا میری آہ تھی
نشتر سا کچھ تو دل میں کسو نے چبھو دیا

کچھ بھی کیا نہ پاسِ نزاکت کہ غیر نے
بالے میں تیرے رات گلوں کو پرو دیا

کیا سہل چھوٹے درد و تعب سے کہ چارہ گر
دل تھا بلائے جان سو محبت نے کھو دیا

اُس مہروش کے آگے نہ پایا جو کچھ فروغ
جل جل کے شب کو شمع نے محفل رُو دیا

جاتا ہی نامراد دلے شاد شاد سا
کیا تازہ دم یہ اصغرِ جاں باز کو دیا

۲۳

یاں تو آیا وہ مگر غیر کو لیکر آیا
کیا ہی غصہ مجھے نالے کے اثر پر آیا

دم شماری ہی رہی ہجر میں تا روزِ شمار
ناتوانی سے نہ دم سینے کے باہر آیا

بہ گیا آبِ عناصر بھی ہمارا شاید
کہ اب اشکوں کے عوض چشم میں خوں بھر آیا

وائے قسمت کہ ہما سایہ فگن ہو سر پر
میں تو کیا شاد ہوا تھا کہ کبوتر آیا

باغِ جنت میں بھی یاں جان پہ ہی بنتی رہی
حور کو دیکھتے ہی یاد وہ دلبر آیا

قسمتِ بد کی نہ پوچھو کہ میرے دل کو پسند | اگر آیا تو وہی شوخِ ستمگر آیا

کس کی زلفوں کی تجھے یاد ہی سچ کہدینا
مشک کو سونگھ کے تو غش میں جو اصغر آیا

۱۴

پاس شب کو وہ فتنہ گر نہ ہوا | نہ ہوا دل کو چین پر نہ ہوا
شبِ مہتاب ہی نظر میں سیاہ | آج وہ غیرتِ قمر نہ ہوا
نہ کیا اُس نے ذبح حسرت ہی | اُس کے قدموں پہ یوں بھی سر نہ ہوا
بس نہیں ہر طرح اُس کو لانے پر | دل ہی قابو میں عمر بھر نہ ہوا
خشک تر ہوگئے ہوئے تر خشک | پر لبِ خشک میرا تر نہ ہوا
سخت باتیں تری سہیں کب تک | آہ پتھر ہوا جگر نہ ہوا
تھیں جو قسمت میں ٹھوکریں کھائیں | کیوں ترا سنگِ رہ گزر نہ ہوا
یاں تغافل سے بن گئی جاں پر | ہائے وہ بے خبر خبر نہ ہوا
رشکِ دشمن کا حوصلہ دیکھو | میں بھی غش اُن کو دیکھ کر نہ ہوا
کاش کچھ آسماں کو ضد آتی | کیوں دمِ غیر میں اثر نہ ہوا
اک نظر میں ہمارا کام ہوا | اور کچھ آپ کا ضرر نہ ہوا
اسی حسرت میں گھر ہوا برباد | کہ مرا اُس کے دل میں گھر نہ ہوا

شبِ غم تھا چراغ رہ اصغر
کہ حریفِ دمِ سحر نہ ہوا

وصلِ شیشہ سے ہوں مست نشہ نہیں شراب کا | ۲۵ | مجھ میں بسی ہی بو تری شیشہ نہ گر گلاب کا

جب کہ نظر سے تھا زبس جسم ترا لطف تر
کام کیا نظارہ نے رخ پہ ترے نقاب کا

دل کی بہت تلاش کی پر نہ ملا کہ پوچھتے
زلف کا اس کے کیا سبب ہم سے ہے پیچ و تاب کا

رند ہیں ہم کو پاک کیا آئے عسس سے پوچھ لیں
بھاؤ ہے کیا شراب کا نرخ ہے کیا کباب کا

ملیے نہ ملیے ہر طرح خوش ہے غلام لیکن آپ
کچھ تو سبب بیاں کریں اس قدر اجتناب کا

صرف جراحت اس قدر ہم نے کیا کہ عاقبت
بھاؤ بگڑ گیا نمک شہر میں عشک ناب کا

ڈر ہے کہ چرخ سن نہ لے کیونکہ بیان کرسکوں
دل میں بھرا ہے وہ جو کچھ لطف ترے عتاب کا

لکھ تو چکے ہی ہو چلو چل کے قدم بس اس کے لو
اصغر اب انتظار کیا نامہ کے ہے جواب کا

نہ بیاں کر مرا دل لیکے جو اے جان کیا
لو نہ رسوا ہو کیا خیر جو نادان کیا

شاخ گل خوب نہیں پردہ دری اتنی بھی
ہاتھ ٹوٹیں ترے کیوں چاک گریبان کیا

حسن نے تیرے زمانے میں دل آئنہ تک
تھا اگر نام کو بھی گھر اسے ویران کیا

ہم فقیروں سے خفا کیوں ہو اگر برسوں میں
چلتے پھرتے ادھر آ نکلے جو اک آن کیا

محتسب توڑ کے خم سیکڑوں دل توڑے آہ
ہو نہ کافر سے وہ جو تو نے مسلمان کیا

چین سے بیٹھے نہ اک لحظہ برا ہو تیرا
فلک جمعیت یاراں نے پریشان کیا

ہے علاقہ تجھے بے وجہ نہ رسوا اے اصغر
کوئی دشنام دے کوئی کہے احسان کیا

دل کی جگہ ہے غم دل جنت مقام کا
گو نام مٹ گیا ہو نشاں تو ہے نام کا

جیتا ہوں صبح و شام کے وعدے پہ قتل کے
مہماں ہوں بزم دہر میں اب صبح و شام کا

تصویر یار کے دہن و لب سے شوق میں
گہ شکر بوسہ ہی کبھی شکوہ کلام کا

آتا ہی فتنہ ساتھ ہی جانے کے اس کے حشر
گویا کہ پائمال ہی طرز خرام کا

گردش نے چشم مست کی بیہوش کر دیا
بارے ہوا شریک میں اس دور جام کا

دشنام دے کے مردے کو زندہ تو وہ کریں
اور نام ہو مسیح علیہ السلام کا

اُس کی کمر کا دھیان تصوّر کو وہم ہی
لو پک گیا جنون خیالات خام کا

جب تک جواب تلخ نہ لایا وہاں سے غیر
کیا جانتے تھے ہم یہ مزا ہی پیام کا

ہی جان و دل جواب سو پہلے ہی بھیجدوں
اُس کی بلا کو رنج ہو ہمدم پیام کا

اُس نے جواب خط میں لکھا ہم کو یا نصیب
خط ہم کو آپ لکھیں یہ لکھا کلام کا

آزاد بہر غیر جو کرنا ہو کیجیے
ورنہ گنہ تو کچھ نہیں صاحب غلام کا

درد غم فراق نے بیکار کر دیا
دل میرے کام کا ہی نہ میں دل کے کام کا

اصغر ترا تو وصل ہی بس کام کر چکا
بے فائدہ ہی یار کو قصد انتقام کا

٢٨

میں نے کہا ہی کچھ یہ کسی سے سنا ہی کیا
کس بات پر خفا ہو کہو تو خطا ہی کیا

نے دیکھے خط کو چاک کیا نامہ بر کو قتل
لکھا ہی اب جواب سو دیکھوں لکھا ہی کیا

اُلفت میں دل گیا تو وہاں داغ ہو گیا
میرا ہی جرم میرے گنہ کی سزا ہی کیا

ای ناز یار آب بقا پی چکے ہیں ہم
بس دیکھ لینگے اب کہ تری انتہا ہی کیا

اُس بن نہیں قرار مجھے کچھ خبر نہیں
سودا ہی عشق ہی یہ جنوں ہی بلا ہی کیا

دن رات دیکھنا تری صورت تری ادا
دنیا کے نیک و بد سے مجھے مدعا ہی کیا

اصغر کو تو نے قتل کیا آج کیا کہیں
مشہور بے وفا یہ سخن سچ ہو اہی گیا

۲۹
نہ چھوٹے آہ جی کیونکر کہ مجھ سے دل میرا چھوٹا | یہ کیسی آشنائی کی کہ ایسا آشنا چھوٹا
عبث نے ربط باتوں سے پریشاں مجھ کو کرتا ہے | نصیحت گر سمجھ تو دل بھی ہے لگ کے بھلا چھوٹا
دم آیا ناک میں کثرت سے حوران بہشتی کی | پھنسے آفت میں ہم اے دم گئے چھ اس کا کیا چھوٹا
ہے بس داد سے محروم ہم کمبخت اب یعنی | بڑھی اتنی شب غم بیچ میں روز جزا چھوٹا
رہائی ہم سے خوں کشتوں کی کیا ہے بس فنا ہونا | میں چھٹا اس کے قدموں سے یہ جوں رنگ حنا چھوٹا
اسیر زلف چھٹنا ہی نہیں کہنے کی باتیں ہیں | ہمارا دل تو ظالم بے شفاعت بارہا چھوٹا
سمجھنا بے اثر الفت کو میری گر قیامت تک | تیرے دامن سے قاتل داغ میرے خون کا چھوٹا
کوئی کہتا نہیں اب اس جفا پر بے وفا اس کو | زبان خلق سے از بس کہ ہے نام وفا چھوٹا
ہوا ہے اور ہی صحبت میں اس کا بیٹھنا اٹھنا | کھڑا کیا ہوں میں اس کو میں کہ پیٹھنا چھوٹا

نہ ہنسنا بولنا پہلا سا نہ سیر و تماشا کچھ
کرے کیا عاشقی اصغر کہ دنیا کا مزا چھوٹا

۳۰
یار بد خو دیکھ اپنی خوش جمالی ہو گیا | ہر مہینا سال کا ماہ جلالی ہو گیا
دیکھیے اب کیا کرے دل سے مرے اس کی کمر | پردہ جو غرفہ کا تھا غرفے کی جالی ہو گیا
دیکھ کر اس رشک محفل کو یہ حیرت چھا گئی | گل جو تھا گلشن میں تصویر نہالی ہو گیا
مے بھی ہے مکروہ ساقی خم مجھے دے گر غلیظ | ہاتھ لگنے سے مرے ظرف سفالی ہو گیا
رات دن فکر جفا میں رنج اٹھا و فائدہ | امتحاں اک بار الفت آزمائی ہو گیا

رہ گئی زخموں کی حسرت دل میں عاشق کے بھری ۔ اور ترکش یار کا تیروں سے خالی ہو گیا

یہ لیا قسمت تیری اور یہ وضع اصغر کیا ہوا
کیوں خرابِ عشقِ شوخِ لاؤ بالی ہو گیا

۲۱

تا سحر ہوش نہ آیا پہ دل اپنا اُلٹا ۔ کیوں شبِ وصل نقابِ رخِ زیبا اُلٹا
ہی مقدر ہی ہر ایک شے میں ہمارا اُلٹا ۔ کیوں شبِ وصل نقابِ رخِ زیبا اُلٹا

مطلع ثانی

جو ستم ہی سو وہ اغیار کی خاطر یعنی ۔ اُس نے خنجر مری گردن پہ پھرایا اُلٹا
میں چلا جاؤنگا سب دھا سوے خم ای ساقی ۔ تو نے دکھلا کے عبث جام میں مینا اُلٹا
لاغرِ عشق ہوں سر زیرِ قدم ضعف سے ہی ۔ اثرِ طالعِ واژوں نے سراپا اُلٹا
کیوں ہوا سے وہ خفا ہوتے ہیں ہم شاید ۔ صبح نالہ جو سوئے چرخ گیا تھا اُلٹا
بوالہوس سے تو ہنسے جا تجھے کیا پرواہ ہی ۔ روتے روتے دلِ عاشق اگر اُلٹا اُلٹا
جوشِ افغاں نے کیا عشقِ بتاں کو ظاہر ۔ صرصرِ آہ نے کس راز کا پردا اُلٹا
تھی تمنائے شہادت سو نہ نکلی دل سے ۔ میری گردن پہ ہوا خونِ تمنّا اُلٹا
دم نہ لے اپنی کشش دل کہ دمِ خونریزی ۔ پھر گیا آ کے وہ پھر جانبِ اعدا اُلٹا
نہ ہوا غیر مسخر ہوئے خود تم تسخیر ۔ جادوئے چشم فسوں ساز یہ کیسا اُلٹا

پھر گیا غیر سے شاید دلِ یار ای اصغر
پھر گیا آ کے جو لب پر میرے نالہ اُلٹا

۲۲

دل نشیں میرا آستانا ہو گیا ۔ امتحاں بھی ایک بہانا ہو گیا

جلد مرنا تھا مقدم عشق میں
حیلہ اُس کا دیر آنا ہو گیا

دل چلا آگے خدنگِ آہ سے
ناوک افگن خود نشانا ہو گیا

اُٹھ گئی دُنیا سے برکت غم کی آہ
نحس اپنا دل لگانا ہو گیا

شوخ کہکر اُس کو نادم ہوں کہ اور
بے محابے کو بہانا ہو گیا

ہم ہوئے ویراں اور اغیار کا
یار کے دل میں ٹھکانا ہو گیا

دوستی گو اُس کو مجھ سے کچھ نہیں
دشمن اس پر بھی زمانا ہو گیا

کیا دگرگوں عشق سے دو دن میں آہ
گھر کا سارا کارخانا ہو گیا

اُس نے جھانکا روزنِ در سے مجھے
سو وہی آنکھیں دکھانا ہو گیا

کیا گنہ اس شمع رو کا جیوں پتنگ
یہاں سرشت اپنا جلانا ہو گیا

سب ازل میں تیرے دیوانے تھے دہر
اک مقرر قید خانا ہو گیا

کھل گیا عشق اُس پہ اصغر پردہ در
شوق شعر عاشقانہ ہو گیا

۲۳

تن میں زبس کہ عشق بھرا دم نکل گیا
کس کا ہوا معالجہ کس کا خلل گیا

کھٹکے ہی دل میں خش سا بے شبہ سینے میں
دل سے ہمارے یار کا پیکاں نکل گیا

لٹکا ہی پیچ اُس کا یہ دامن ترا نہیں
محشر جو تیری چال سے بگڑی بدل گیا

طوفانِ اشک خونِ جگر لختِ دل غرض
الفت میں اپنی آنکھ سے کیا کیا نکل گیا

آئے وہ سجدہ شکر کا ہر گام پر کیا
جتنے قدم چلے تھے وہ میں سر کے بل گیا

اُلٹا نقاب شرم سے خورشید چھپ چلا
دن وصل کا شروع سحر حیف ڈھل گیا

لکھوایا غیر سے مرے خط کا جواب آہ
کیا جانے کیا قلم مری قسمت پہ چل گیا

ہوں سرد مہریوں سے تری داغِ شعلہ خو — بنا ری ہر آہ سرد کے اور دل ہی جل گیا
میرے پیام بر کی حقیقت تو پوچھا آ — ہمدم جو اس طرف ہو کوئی آج کل گیا
لاش اس نے بعد قتل اٹھا دی رقیب کو — ہم کو ملا کے خاک میں ذوق اجل گیا
ہے دل میں درد روز و شب و صبح و شام آہ — الفت اگر یہی ہو تو جی آج کل گیا

اصغر نے توبہ شاہد و مے سے سنا ہے کی
تھا ایک ہی خراب یہ کیونکر سنبھل گیا

۳۴

پروانہ ساں نہ دل ہی تپِ غم سے جل گیا — جوں شمع سوزِ اشک سے تن بھی پگھل گیا
بے رحم اس قدر بھی جفا کیا غضب ہوا — گر میرے منہ سے نام وفا کا نکل گیا
اپنی تو جبہ سائی سے پیشانی ہی فگار — اس کی جبین ناز سے لیکن نہ بل گیا
اپنے غبار دل میں دیا بعدِ یاس قتل — ہیں ساتھ لے کے گور میں ذوق اجل گیا
ایک دم اثر سے ناقۂ لیلیٰ تھمے محال — الفت کہاں دماغ ہی مجنوں کا چل گیا
وحشت تھی گھر میں جب تھے وطن سے بھی تنگ تھے — غربت سے خوش ہیں دشت میں جی تو بہل گیا

فرہاد و قیس و امق و اصغر کہاں رہے
وہ لوگ اٹھ گئے وہ زمانہ بدل گیا

۳۵

شاکی ہی تو کیوں خموش تو شیریں دہن ہوا — ہاں ہم سا تلخ کام کہاں کوہ کن ہوا
اپنے مسافروں سے خفا ہو تو خوش ہو — رخصت شتاب بس یہ غریب الوطن ہوا
ہر روز دوستی میں ایک آفت نئی اٹھی — دشمن فقط نہ جان کا چرخ کہن ہوا

مطلب کی بات منھ سے نہ نکلی ہمارے ایک / سو بار اپنے لطف سے وہ ہم سخن ہوا

روز ازل سے موت تھی عاشق کی زندگی / جاں پر ہمارے جامۂ ہستی کفن ہوا

ہر ملک کی ہی رسم جداگانہ واعظا / کعبہ میں شیخ دیر میں گر برہمن ہوا

ای لالہ دیکھ ضبط نہ پھیلے شمیم یار / شق گو زیادہ تجھ سے ہمارا بدن ہوا

می میں نہا رہا ہوں مجھے چھوڑ محتسب / آلودہ ورنہ دیکھ ترا پیرہن ہوا

مرتا ہی مفت ہجر میں امید وصل پر
اصغر یہ عشق بھی ترا دیوانہ پن ہوا

۳۶

ای دل یہ کس بلا میں گرفتار کر دیا / ہو کر عزیز تو نے مجھے خوار کر دیا

آیا مہ صیام تو ہم نے چھپا کے می / مسجد کا حجرہ خانۂ خمّار کر دیا

الزام بے وفائی کا مجھ پر سہی ولے / کرنے دو عذر بھی جو گنہگار کر دیا

اب دیکھنا جفا بھی جو ذکر رقیب پر / اس بے وفا سے عشق کا اظہار کر دیا

ای جاں معاف رکھو گر اب جاں فدا کروں / دل نے تمھارے اٹھتے ہی ناچار کر دیا

ہی قہر جذب شوق مری جا رہے خبر / آگاہ میں نے پھر تجھے ای یار کر دیا

سرتاپا ہوں دیدۂ وا بہر شوق دید / تو نے تو مجھ کو حسرت دیدار کر دیا

اعجاز و سحر و جادو ہی و دلبری صنم / یہ سب خدا نے تجھ پہ سزاوار کر دیا

سر زیر پا ہی ضعف سے تو بھی نہاں ہی راز / کج فہم کیا سمجھ کے مجھے زار کر دیا

خلوت ہی کس سے رات کہ دروازہ کر کے بند / دربان کو کھڑا پس دیوار کر دیا

غفلت شعار ہی وہ گل اصغر اب آگئے یار
تو جانے تیرا کام خبردار کر دیا

۳۷

کیا نہ آئے گا نظر ضعف سے چرچا نہ ہوا
ہنس کے کہتا ہے شب وصل تو دلوائے گو سحر
گر بری ہوتی ہے دشنام تو مجھ کو دیجے
حُسن و عشق کی مت پوچھ ترقی کل تک
بس کہ اسرار محبت کے تھے مضموں خط میں
کر دیا تم نے تو غیروں کی برابر مجھ کو
صبر و آرام گیا رنج و غم آیا لیکن
کیجے چارہ دل لیک یہ وعدہ کیجے

اُتنا رُسوا ہیں ہوا جتنا کہ رُسوا نہ ہوا
یہ سما چاندنی کا کیوں لب دریا نہ ہوا
ہے سزاوار مجھے جو تمہیں زیبا نہ ہوا
ایک سخن میش نہ تھا آج جو افشا نہ ہوا
کونسا پیر اکبوتر تھا کہ عنقا نہ ہوا
مجھ سے کیا کہتے ہو مجھ سا کوئی پیدا نہ ہوا
درد دل عشق میں ایک لحظہ کو بھی وا نہ ہوا
کہ برا تجھ سے نہ مانیں گے گر اچھا نہ ہوا

کس بُرے حال میں آیا ہے وہاں سے اصغر
جب گیا ہی تھا میں کہتا تھا کہ اچھا نہ ہوا

۳۸

شب اُس نے اپنے دل کا جو حال اُلفت کہا
انساں ہوں آخر اے صنم اتنا خفا نہ ہو
ترک کلام کا ہے گو کرتا وہ بے سبب
کہتی ہے خلق عاشق زار آپ کا مجھے
کیا دل پہ بس نہ تھا تو زباں پر بھی بس نہ تھا
اُس نے دیا جواب نہ کس کے سوال کا
شوخی تو دیکھ اُس نے کہا بے وفا مجھے
اے دوست دشمنوں کی شکایت بھلی نہ تھی
شیخ کو پیام مرگ سناتے ہیں یوں وہ ہائے

مت پوچھ کیا سُنا کیے ہم اور کیا کہا
کیا ڈر ہے جو دل کے دُکھنے سے ہر ہے خدا کہا
میں نے ہی اُس کو شوق میں کیا جانے کیا کہا
مجھ سے عبث کشیدہ ہوئے جو سُنا کہا
احوال دل کے آنے کا کیوں اُس سے جا کہا
پر چپ رہا وہ میں نے ہی جب مدعا کہا
سب کچھ جو قصۂ دل رشک آشنا کہا
اچھا کیا اگر مجھے تو نے برا کہا
اصغر عدو نے آج مجھے جاں فزا کہا

کیا یہ تیغ نگاہ یار کیا / کہ مری جان کو فگار کیا

عاشقوں میں گنا رقیبوں کو / تو نے مجھے کس لیے شمار کیا

اپنا بدخواہ ہیں وہ ہوں کہ مجھے / اُس نے اس دشمنی پہ پیار کیا

دل ہمارا نہ سونپیے غم کو / بس تمہارا ہی اعتبار کیا

بندھی اُمید یاس کو کیا کیا / جبکہ مجھ کو امیدوار کیا

چرخ سے بد شعار پر اب آہ / راز دل تو نے آشکار کیا

ہو مبارک غرورِ حسن تمہیں / کہ یہاں عجز اختیار کیا

وہ نہایت رہا عزیز مجھے / ہے نہایت اگرچہ خوار کیا

لب جاں بخش یار پر اصغر / کیا ضرر جاں کو گر نثار کیا

۳۹

حاصل شبِ فراق جلانا چراغ کا / کر لیجیے شمار مرے دل کے داغ کا

کیا گل کھلائے دیکھیے اب موسم بہار / سنتے ہیں اُن کا قصد ہے گلگشت باغ کا

ساقی اُٹھا دے مجھ سے بلانوش کو ہنوز / کرنا ہے انتظار عبث تو ایاغ کا

سودائے عشق کا نہیں ممکن کہ ہو علاج / اے چارہ گر علاج کر اپنے دماغ کا

کیا نامہ و پیام کہ ویرانے میں مرے / ہُدہُد کا آشیانہ کہیں ہے نہ زاغ کا

تاراج ملک جاں کو نہ کر اے سپاہ غم / کلفت سے پھر بگاڑ ہے دل کے فراغ کا

رکھے نہ ننگ و نام سے کام آپ کا خراب / لیوے نہ نام آپ کا قیدی فراغ کا

اصغر جو دل میں یار کا گھر ہے تو بس ہمیں / جاسوس کا خطر ہے نہ غم ہے سُراغ کا

۴۸ (ب)

گھر اُس کا مری جنت عشق اُس کا مرا مذہب
کیا کفر سے ڈر واعظ اسلام سے کیا مطلب

کیا آئے وہ وعدے پہ غماز سکھاتے ہیں
تم کا ہے کو جاتے ہو وہ آپ میں آیا کب

رکھیو میرا سر دائم قدموں میں اسی بت کے
مشرک کا اگر سجدہ مقبول نہیں یارب

کیا کہوں ترے آگے گذری جو ترے پیچھے
ہر پل میں یہاں آئی سو بار قیامت شب

ہر بار جواب تلخ ہم تسو مزاجوں کو
اتنی بھی ترش روئی اچھی نہیں شیریں لب

دشنام دو یا بوسہ زندہ کرو یا مردہ
جو کہئے وہی اولیٰ جو کیجئے وہی اب سب

زلفوں کو بلا کہ کر رو یا میں تو وہ بولے
لپٹی ہے ترے پیچھے ان کی یہ بلا بے ڈھب

ٹھہرا نہ وہ یہاں عذر بے تابی دشمن سے
دل دیکھیں تری وحشت تو کبھی نہ ٹھہرا اب

یوں وصف جناں واعظ جلتا ہوں دروغ اتنا
آئے ہیں پشیماں ہم اس کو منگئے ہیں جب

کہتے ہو نہیں سنتے قصہ ترا ہم اصغر
خاموش رہے ہم تو سنتا جو کہیں گے سب

۴ (ت)

حق پوچھو تو زیبا ہے مقدر کی شکایت
بے فائدہ کب تک دل و دلبر کی شکایت

وہ دل میں گیا سوچ غم دل کو ہمارے
صد شکر کہ گھر ہی میں رہی گھر کی شکایت

بس اک ہوس شکوہ کہ آئے وہ دم صبح
ایک دم میں ادا کب ہوئی شب بھر کی شکایت

تیزی سے نہ دی فرصت نظارہ دم ذبح
شکوہ نہیں قاتل کا ہے خنجر کی شکایت

منظور رضا اُس کی ہے گو محض جفا ہو
یہاں شکر ستم ہے نہ ستمگر کی شکایت

قابو میں نہ تھا دل جو کیا شکوہ تو کیا رنج
بیجا ہے تمہیں عاشق مضطر کی شکایت

دشمن کو تو ہی کہتے یہ غیرت نے نہ چاہا
مجبور نہ کی چرخ بد اختر کی شکایت

تربت سے اُٹھا جان کے آہٹ تری پاکی
ہو کیوں نہ تجھے فتنۂ محشر کی شکایت

انصاف بھی ہے شرط بھلا غور تو کرو
زیبا ہے تمھیں غیر سے اصغر کی شکایت

مجھ کو اے ناصح نہ کہہ شیدائی کوئے دوست
دیکھ تو دشمن تلک ہے مدح خوانِ کوئے دوست

کیا کہوں واں پھونکیں لاشیں قاصدوں کی جابجا
نامہ بر پوچھے جو خط لیکر نشانِ کوئے دوست

جلوۂ جاناں سے جو رونق ہے اے ہمدم نہ پوچھ
کوئے دشمن پر ہوا مجھ کو گمانِ کوئے دوست

رشک کے ہاتھوں نہ پایا بعد مرنے کے بھی چین
خلد میں حوروں کو سمجھا ساکنانِ کوئے دوست

کیوں لیے جاتے ہیں وارث لاش میری تربت میں
کر چکا ہوں ہڈیاں وقفِ سگانِ کوئے دوست

چارہ سازو اب کرو تدبیر وہ جس سے ملے
میرے مدفن کو زمینِ جانستانِ کوئے دوست

خاک اڑائی ہے یہ کس دیوانۂ بیباک نے
ہے صبا میں نکہتِ عنبر فشانِ کوئے دوست

پھر کبھی فارغ نہ ہو گلگشتِ جنت سے عدو
میں اگر ہو جاؤں یکدم پاسبانِ کوئے دوست

خاک میں ملنا میرا اغیار پر کھلتا نہیں
ہم نفس گویا میں ہوں رازِ نہانِ کوئے دوست

وہ قیامت قد نہ آئے جب تلک وقتِ جزا
سر اٹھاتے ہیں کوئی افتادگانِ کوئے دوست

ذکرِ قتل مدعی تھا مر گیا میں رشک سے
نیند آئی سن کے رنگیں داستانِ کوئے دوست

صدمۂ رشکِ عدو تنہا ہے حالِ زار سے
بے نشاں ہوں پر بتاتا ہوں نشانِ کوئے دوست

واعظوں نے توبہ کی مدح ریاضِ خلد سے
کیجیے گا کب تلک اصغر بیانِ کوئے دوست

دن بھر مرے گھر رہتے ہیں وہ غیر کے گھر رات
ہر روز میں جیتا ہوں تو مرتا ہوں میں ہر رات

کچھ روزِ جدائی کی سیاہی کو نہ پوچھو
سمجھا ہوں سحر میں نظر آئی ہے اگر رات

ہی رنگ سیہ دل کا تف آہ سے میری
گویا کہ ہی رہتی مرے گھر آٹھ پہر رات

مانگے ہی دل و جان وہ رُخ و زلف غضب ہی
دشمن مری جان کی ہی ادھر صبح اُدھر رات

تھا خواب میں ایک مہرلقا کا جو نظارہ
کم تار شعاعی سے نہ تھا تار نظر رات

مرجائیے سو بار جو ہجراں میں یقیں ہو
ہم جان سے گزریں گے تو جائیگی گزر رات

صد شکر کہ دیکھی شب تاریک عدو نے
مہمان رہا گھر مرے وہ رشک قمر رات

کیا طول شب زلف کو نسبت مری شب سے
تشبیہ یہ دوں ہیں جو ہو میری بھی بسر رات

وعدہ جو کیا اس نے کہ آؤنگا سحر کو
سمجھا ہی کہ بن میرے نہ ہووے گی سحر رات

تشریف یہاں لائے وہ حیران ہوں کہ یارب
آیا میرے نالوں میں کہاں سے یہ اثر رات

ہر روز جزا جاگ چکا اے طالع خفتہ
باقی ہی ترے زعم میں ہجراں کی مگر رات

کس درد سے روتا تھا شب ہجر میں اصغر
ہر آہ سے پھٹتا تھا ہمارا تو جگر رات

۴۴

واہ تو اور تیری جفا کیا بات
میں تو کیا پر میری وفا کیا بات

قہر ہی دلبری کو ایک سے ایک
غمزہ کیا پوچھنا ادا کیا بات

کچھ وہ دل سے سوا عزیز نہ تھا
عشق میں سر گیا گیا کیا بات

ہوش وہاں جائے بن نہیں آتا
سچ ہی سمجھوں ہیں ناصحا کیا بات

قابل شکوہ ہوں میں سچ لیکن
شکوہ اغیار سے میرا کیا بات

جس پہ سرگوشیاں تھیں غیروں سے
تھی وہ سب بے رحم سچ بتا کیا بات

صبر کس طرح ہو سکے اصغر
ہائے اس شوخ میں ہی کیا کیا بات

مدعی سے نہیں تمہاری بات
ہے دعا میں اثر بہت لیکن
اُس کے دشنام سے موئی نہ اُٹھی
کیا خبر تھی وہ آئیں گے پسِ مرگ
دل ٹھہرتا نہیں مرا شاید
کان بھرتے ہیں مدعی شب و روز
دل ہے آئینہ تن بھی آئینہ
اثرِ اشک سب بے اثر دیکھو
یار کے در سے ہم نہ اُٹھتے پر
تھا گلہ اپنے بخت کا ظالم

کیا کرے بندہ ہے خدا کی بات
میری دشوار ہے سمجھنی بات
ضعف سے اس قدر سبک تھی بات
ورنہ دشوار کیا تھی اتنی بات
وصل دشمن کی آج ٹھہری بات
سچ ہے کیونکر سُنے وہ میری بات
کیا چھپے اس کے دل میں کوئی بات
میرا رونا ہوا ہنسی کی بات
ہم سے اغیار کی نہ اُٹھی بات
تیری رنجیدگی کی کیا تھی بات

یار و اغیار کی جو سُنتے ہیں
اصغر الفت کی ہے یہ ساری بات

(ردیف ث)

اُس بُتِ عیار کے گھر غیر جاتے ہیں عبث
چاہتا ہوں اس کا آنا ہے غلط پر چارہ گر
ناتوانی ہے جنوں میں کم نہیں زنجیر پا
امتحان غیر لے سکتا ہوں میں بھی گر کہو
دل چرانا ہو گیا دزدیدہ نظروں سے عیاں
نے دماغ سیر جنت نے تپ دوزخ کی تاب
زلف کو کس نے کہا کالی بلا سے کم نہیں

۴۵ میرے دل میں گھر ہے اُس کا وہم آتے ہیں عبث
میری تسکیں کے لیے باتیں بناتے ہیں عبث
چارہ فرما بیڑیاں مجھ کو پنہاتے ہیں عبث
آپ اپنے واسطے ایذا اُٹھاتے ہیں عبث
مجھ سے اب اس بزم میں آنکھیں چراتے ہیں عبث
شورِ نفخ صور کے مجھ کو جگاتے ہیں عبث
آپ ناحق الجھتے ہیں عبث قصہ بڑھاتے ہیں عبث

جامہ چاکی کا سبب یاں کوئی جز دشمن نہیں
آسماں کی دھجیاں نالے اُڑاتے ہیں عبث

دیکھ کینہ مدعی کا اور ناخوش ہوں گے وہ
چاک کر سینہ ہم اُس کو دل دکھاتے ہیں عبث

کشتۂ طرزِ خرامِ یار کیونکر جی اُٹھے
وہ ہماری لاش کو ٹھوکر لگاتے ہیں عبث

وہ تو اصغر مجھ سے ہرگز بات بھی کرتا نہیں
لوگ اپنے دل سے کیا باتیں بناتے ہیں عبث

کہیں کیا زندگیِ ہجر کا اے بے وفا باعث
اُمیدِ مرگ ہم کو ہو گئی تھی زیست کا باعث

تجلی دلربا انداز دلکش ہر ادا دلبر
بتاؤں دل کے آجانے کا اس پر کہ کیا باعث

جفا کی اُس نے پھر امتحانِ لافِ وفا پر گر
مری خواری کا میرا ہی تکبّر ہو گیا باعث

اُدھر وہ مستعدِ خونریزی اِدھر میں قتل پر راضی
اجل آتی نہیں اس پر بھی یہاں کیا جانئے کیا باعث

گئے دم دے کے وہ گھر غیر کے یاں بن گئی جاں پر
غلط سنتے تھے ہم عیسیٰ کے دم کو زیست کا باعث

کسی سے آشنائی کی نہ تجھ سے بے وفائی کی
عبث رنجیدگی کا آخر ہے نا آشنا باعث

اثر دل کی کشش میں ذکشش تاثیرِ الفت میں
وہ شب آئے اور آئے آپ سے کوئی نہ تھا باعث

وفا سے اُس کی نفرت ہے تجھے طرزِ ستم بھائے
جفا کی ہے وفا باعث وفا کی ہے جفا باعث

جو شکوہ ہے تو اُس مہ کا جو رنجش ہے تو دشمن کی
جفائے چرخ کا دونوں میں اصغر کونسا باعث

ردیف ج

کچھ کرونگا میں اشکباری آج
ہے کہاں ابرِ نو بہاری آج

بے وفا غیر کو ہی لاف وفا
کیا ہوئی وہ جفا شعاری آج

شکوۂ ہجر پر شہید کیا
ہو گئی زندگی ہماری آج

عید ہی پر وہ کیا گلے سے ملے
ہی بلا شوق ہمکناری آج

یادِ کاکل عدوئے جان ہوئی
ہی عجب حال تجھ پہ طاری آج

کہتے ہو کل ہی روزِ وصلِ عدو
کھل گئی مہروشی تمہاری آج

بدحواسی فراق کی مت پوچھ
مرگ ہی اُن سے بھی پیاری آج

چشم نازک پہ سرمہ بار ہوا
رات اصغر ہی مجھ پہ بھاری آج

ردیف ح

فریاد جور کی نہیں روزِ جزا اصلاح
خجلت ہو جن میں یار کو اصغر وہ کیا صلاح

تدبیر اپنے قتل کی میں جانتا ہوں خوب
دشمن سے پوچھتا ہی عبث بے وفا صلاح

آئے برائے دفعِ ندامت وہ لاش پر
فکرِ وصال میں میرا مرنا ہوا صلاح

تجھ کو جفا پسند ہی مجھ کو وفا پسند
تیری جدا صلاح ہی میری جدا صلاح

ابتک نہ آئے وہ کوئی اُٹھتی ہی میری نعش
کرتے ہیں جا کے اُٹھانے کی کیوں آ کے صلاح

کہتا وہ گو یاری سے پہ کہتا تو یار سے
دشمن سے راز دل کا چھپانا نہ تھا صلاح

افسوس ہی کہ میری طرف کی ہوا نہیں
دشمن سے کر رہے ہیں وہ کیا جانے کیا صلاح

آخر نہ ہو کبھی شبِ غم کا یہ قصد ہی
اے روزِ حشر تو بھی تو اپنی بتا صلاح

آزردہ دیکھ یار کو دم ہی نکل گیا
اغوائے غیر حق میں مری یہ ہو کیا صلاح

فتنے سے ہی گمان تلافی نہ معذرت
شکوہ نہیں کبھی ستم جرأت کا صلاح

دل میں گزر ہو اُس کے کسی راہ سے غلط
صحرا میں ہم نے خضر سے کی بارہا صلاح

اُس کے دہانِ تنگ سے کب یوسے نصیب ہوں
کچھ میرے قتل کرنے میں بدنامیاں نہیں

ای عقل نکتہ رس کوئی ایسی بتا صلاح
لیوے کسی سے اس میں تمھاری بلا صلاح

خود جانتا ہوں عشق میں کیا کیا فساد ہیں
اصغر کسی سے اس میں ہو کیا پوچھنا صلاح

(ردیف د)

۴۹
کھینچ کر تیغ آگیا جلاد
ارمغاں ہم کو دو جہاں سے ملا
گر کے اس طرح سے نہ ملنا تھا
شہر کو کر رہیں گے دیوانہ
لایق بندگی رقیب ہی تو
شحنہ و شاہ و آسماں کس کے
یاس و درد و غم آبسے دل میں
پہلے خسرو کے کھودتے گھر کو

مجرمانِ وفا مبارکباد
جان پر معصیت دلِ ناشاد
ابتدا سے بگڑ گئی افتاد
یہ بُری خصلتاں آدم زاد
کیجے صاحب غلام کو آزاد
تو ہی کر ظلم تو ہی کر فریاد
گھر یہ اُجڑا تو ہو گیا آباد
ای شکر لب جو ہوتے ہم فرہاد

۵۰
مقبرہ محتسب کا بنتا ہی
سخت بدعت ہی اور خلاف شرع
دہر میں جی میں ہو کوئی مسجد

ہی بہت جمع سنگ و خشت و زاد
مے کشو کیونکہ ہونے دیں ایجاد
ڈال دیں میکدہ کی بس بنیاد

دم دیا اُن سے پاک دامن کو
بن کے اصغر نے صاحب سجّاد

۵۰
ہو شرم سے دیدۂ تر بند
کھولے وہ نقاب کے اگر بند

وہ باتیں، کہ معجزہ سحر
آنکھیں وہ کہ سامری نظربند

اول ساقی مرا گلا گھونٹ
من بعد وہاں شیشہ کر بند

کہہ کس کا خیال ہے کہ دن رات
بیدار ہوں پر ہے چشم تر بند

تو بوالہوس اور دعویٔ عشق
رکھ اپنی زبان بے خبر بند

دل کھول کے ہنس کے بولیے واہ
کیجے نہ یوں بات بات پر بند

شاید اُس گل نے زلف وا کی
ہے یوں جو صبا دمِ سحر بند

گو اُس نے کسی طرف نہ دیکھا
تو بھی لاکھوں ہوئے نظربند

تھوڑا ہی سا اپنا قصہ اصغر
دفتر وفتر ہے بند در بند

(ردیف ذ)

تلخیِ مرگ کیونکہ نہ ہو شامِ غم لذیذ
ہے شہد لطف سے بھی تمہارا ستم لذیذ

مضمون شوق نامہ ہے کیسا قلم لذیذ
ہے میرا سخن نہیں لبِ جاناں سے کم لذیذ

وہ شوخ بات بات میں کہتا ہے بار بار
کیونکر کہوں نہیں مری جاں کی قسم لذیذ

کب غیرِ تلخ کام نے پایا ہے یہ مزا
ہے شہد لطف سے شکرِ لبِ صنم لذیذ

گھر جانے کی عبث تمہیں جلدی ہے سو رہو
ہوتا ہے خوابِ ناز بہت صبحدم لذیذ

کیونکر غرض سے عشق میں اُس کے نہ جان دل
رنجش لذیذ جور لذیذ و ستم لذیذ

مضمون بوسہ ہائے شکر لب نے کر دیا
رگہا ہے نے شکر سے بھی نالِ قلم لذیذ

شوقِ شکار اُس بتِ بدمست کو ہوا
ہے کچھ نہ پوچھ کبابِ غزالِ حرم لذیذ

دشمن کو خوئے یار کا غم مجھ کو وصل کا
ہے بارے رنجِ غیر سے میرا الم لذیذ

آتا ہے اُن کو اس میں مزا شاد ہوں کہ ہے
دشمن کا وصل میری جدائی سے کم لذیذ

گلا ہے سنگ رقیب سے کہ گر شکر یار کا
تو جرعۂ شمار کی تلخی نہ پوچھیے

ہیں کیسی کیسی وصل میں باتیں بہم لذیذ
ہر چند کچھ ہو صافیٔ جامِ جم لذیذ

اضغر ہے گرچہ زہر ہلاہل سے تلخ تر
لیکن ہے پھر بھی بادۂ عشقِ صنم لذیذ

ردیف ل

ہے یہ ادا دشمن جاں دیکھ بھال کر
دیتا ہوں دل تجھے مرے دل کو خیال کر

رکھتا ہے دم تصورِ عیش وصال کر
کن حسرتوں سے مرتے ہیں حسرت نکال کر

احوال کچھ نہ پوچھ دمِ جاں خراش کا
کرتا ہوں بات بھی تو کلیجہ سنبھال کر

باقی ہے کس قدر تجھے دیوانگی میں ہوش
کرتا ہوں چاک جیب تو ناصح کو ٹال کر

سو بار جان دوں میں ولیکن نہ دوں جواب
یہ بات سہل ہے کوئی مشکل سوال کر

کیا رنج شوقِ وصل میں جو کچھ ہوا ہوا
قصہ مرنے کا لطف ہی ہے انفصال کر

گویا کہ کوئی بوالہوس و بے وفا نہیں
جو تم سناتے ہو مجھے غیروں پہ ڈھال کر

کچھ بھی مزا ملے تو گوارا ہوں تلخیاں
دی تو شراب گرچہ وہ دی زہر ڈال کر

اے ناشگفتہ دل تو نہ پژمردہ ہو ابھی
یک چند انتظارِ نسیمِ شمال کر

کیا جانے پھر تلافیٔ دشمن میں کیا کرے
کیونکر کہوں تدارکِ رنج و ملال کر

لے مجھ سے انتقام خشیتی رقیب
رو رو کے لیکن اپنی تو آنکھیں نہ لال کر

کیا زور اُن پہ ٹھہرے اگر صلح غیر سے
اے سپہرخ تو تہیہ جنگ و جدال کر

ہے بس کہ راہِ عشق میں آزار دل نشیں
دل میں چبھو سے پاؤں سے کانٹے نکال کر

جی میں ہے نام غیر کا لے دل وہ کہتے ہیں
ظالم ہے ذرّہ ذرّہ میں دریاے خوں نہاں

کس نے کہا تھا تجھ سے کہ اظہار حال کر
مشتِ غبار کو نہ میرے پائمال کر

اصغر اگر نہ روزِ جزا سے وہ بت ڈرے
تو ہی خیال داوریِ ذوالجلال کر

بارے حسرت چلے نہ ہم لے کر
وہ ہی رونا ہے اب کہ روزِ ازل
اے عدو کون ہو اسیر بلا
کچھ بھی دل کی نہ کی خریداری
آئے کیوں میرے گھر رقیب کو تم
کیوں نہ دم ضعف سے رکے جب سانس
اُس نے عہدِ وفا کیا باطل
نرہا روز خوش زمانے میں

سر دیا یار کے قدم لیکر
خوش ہوا تھا میں چشم نم لیکر
ہاتھ میں زلف خم بہ خم لیکر
تو نے اے مایۂ ستم لیکر
پے افزایش الم لیکر
آئے دم لیکے جائے دم لیکر
نام دشمن دمِ قسم لیکر
آئے تھے ہم عجب قدم لیکر

کس کو اصغر دماغ دردکشی
کیا کرونگا میں جام جم لیکر

اب کیوں الم ہو غیر کو دل شاد دیکھ کر
کیا رہ گیا ہے صورتِ تصویر دیکھنا
آنکھوں میں دم ہے تو بھی تو پھرتی نہیں نگاہ

آنکھیں لڑائی تھیں ستم ایجاد دیکھ کر
صورت ترے مریض کی بہزاد دیکھ کر
یہ گونہ گو نہ لذتِ بیداد دیکھ کر

بے رحم انتقام ستم لوں پہ کیا کروں
آتا ہے رحم چرخ کی بنیاد دیکھ کر

یاں لاغری سے بار ہے فکرِ ہلاک بھی
سر پھوڑیں کیوں نہ طاقتِ فرہاد دیکھ کر

آوارگی سے مر کے بھی نالاں ہیں کہ وہ
روتے ہیں میری خاک کو برباد دیکھ کر

رشکِ ستم تو دیکھ کہ لب پر نفس ہے سرد
دشمن کو گرمِ نالہ و فریاد دیکھ کر

یہ ذوقِ قتل ہے کہ اگر مر بھی جاؤں میں
آجائے جان صورتِ جلاد دیکھ کر

تسخیرِ بُت کو پڑھتے ہی افسوں یقیں ہوا
اصغر کا شغلِ سبحۂ اوراد دیکھ کر

تھا اک دم نہ جولانی سے اس مضطر کی مدفن پر
ہراسا یہ پڑا تھا زلیست میں کیا تیرے توسن پر

کوئی چھٹتا تھا ہم سے ربطِ قاتل قتل سے دشمن
نہیں گرباں اس کے ہم نہ ہوں خوں تو ہے گردن پر

اثر دیکھو ذرا نالوں کا ہم پیوستہ مجنوں کے
کہ اس سے سنگ دل کو رحم آیا حالِ دشمن پر

شہادت مدعا تھی یاں سو یوں بھی ہو گئی حاصل
عدو کو اس نے مارا مر گئے ہم طرزِ کشتن پر

نہ پوچھو شب کی تاریکی عزیزو بس یہی سن لو
حسد ہے زلفِ جاناں کو ہماری فردِ روشن پر

وفورِ گریہ سے ہے چشم کی طوفان پر چشمک
دلِ سوزاں کے باعث طعنہ زن ہے سینہ گلخن پر

ہمارے مرتے دم ذکرِ بتانِ از جہاں رفتہ
مرے کیا خاک نا انصاف کوئی تجھ سے بدظن پر

مگر تے ہو عبث تم نے کسی کو آج جھانکا ہے
برستی ہے قیامت شوخ چشمی در کے روزن پر

رفوئے زخمِ دل کے غم نے مجھ کو مار ڈالا ہے
نہیں جرم اس کے خنجر کا کہ میرا خون ہے سوزن پر

کیا کیوں تمامِ غم گھبرا کے سینہ چاک اے **اصغر**
تجھے تھا ہاتھ دوڑانا شبِ فرقت کے دامن پر

ازبس مرے تھے ہم قدِ دلبر کو دیکھ کر
پھر شور ہی در صفِ محشر کو دیکھ کر

راہِ وفا میں ضعف نے آخر رُلا دیا
آنکھیں بھر آئیں زیرِ قدم سر کو دیکھ کر

نظروں میں پھر گیا رُخِ گلرنگ یار کا
پژمردہ ہو گیا میں گلِ تر کو دیکھ کر

جنت میں بھی دیا نہ مجھے یادِ غم نے چین
گریاں ہوں خشکیِ لبِ کوثر کو دیکھ کر

اے مرگ اب نہ چھیڑ کہ روتے ہیں زار زار
وہ میری حالتِ متغیّر کو دیکھ کر

آزردہ یار گمانِ الفت سے وہ ہوا
میں رو پڑا تھا چرخِ ستمگر کو دیکھ کر

ہنستے ہیں غیر رونے پہ کیونکر نہ روئیں ہم
بے آبروئی مژۂ تر کو دیکھ کر

اب بھی نہ نکلی حسرتِ نظارہ دل سے آہ
دم ہی نکل گیا ترے خنجر کو دیکھ کر

قسمت نے زندگی کو بھی یاں خون کر دیا
اصغر ہوں جاں بلب لبِ احمر کو دیکھ کر

بدچلن سب خلق ہے اُس کی خوش خرامی دیکھ کر
چرخ چکر میں ہے یہ بے انتظامی دیکھ کر

تھا خیالِ جنگ اب اپنا گلا کاٹیں گے آپ
دم نہیں باقی تمھیں دشمن کا حامی دیکھ کر

ہو گئے مغرور شاہا ہم سرکشی اُس سے کریں
غیر نامہ میں مرے خدّام سامی دیکھ کر

لے لیا بس بوسہ تھا ہرچند ڈر تقریر کا
یہ مزا آیا تری شیریں کلامی دیکھ کر

ہم کو یوں آزاد دشمن کے لیے کرنا نہ تھا
صاحبی کرتے مگر خطِ غلامی دیکھ کر

اُس مہِ کامل سے کچھ نسبت نہ تھی شامِ فراق
مر گئے ہم ماہِ نو کی ناتمامی دیکھ کر

ہم سمجھتے ہیں عدو سے گرمجوشی کا سبب
ہے جتانا مدعا الفت کی خامی دیکھ کر

وہم سے مرتا ہوں سمجھاتا ہے مجھ کو بار بار
جب سے آیا ہے اسے میرا پیامی دیکھ کر

نزع تک جس نے نہ پوچھا نعش پر آئے تو آئے
دیکھیو **اصغر** ذرا جانِ گرامی دیکھ کر

دریائے اشک اپنا چڑھا آسمان پر
ہے جوش زن زمیں سے بلا آسمان پر

گو خاک میں ملا ہیں کدورت سے یار کی
پر ہے وہی دماغ میرا آسمان پر

نالوں نے میرے عرش معلیٰ ہلا دیا
لو آسمان ٹوٹ پڑا آسمان پر

تاثیر نے یہاں نہ وہاں اضطراب میں
سو بار میں زمیں سے گیا آسمان پر

مضمون ہاتھ آتے ہیں پابوس یار کے
جب پہنچتی ہے فکر رسا آسمان پر

کیا بوالہوس کو نالۂ جاں سوز کی خبر
روشن یہ حال مجھ پہ ہے یا آسمان پر

دم ناک میں ہے اسفل و اعلیٰ سے دہر کے
پڑیو زمیں پہ خاک بلا آسمان پر

دی جان ضبط آہ سے دیکھا اُس کو سرنگوں
اصغر کو رحم آ ہی گیا آسمان پر

دل لیکے کہتے ہو نہ رہوں جاں لیے بغیر
ہاں لیجیے کیا نہ گذرے گی میری جیے بغیر

ہے شرم انفعال لب جاں فزائے یار
فرقت میں بھی مجھے نہیں بنتی ہے جیے بغیر

پیچھا نہ کر طلب نہ کریں اقربا دیت
قاتل نہ چھوڑیو مرے ٹکڑے کیے بغیر

سینہ ہو دل ہو عید ہو بس توڑنے سے کام
پیتے نہیں شراب وہ توبہ کیے بغیر

یوں جم رہا ہے خون جگر سے میرے کہ بس
گویا رفو ہوا ہے یہ جامہ سیے بغیر

اصغر غرور دلبری ایسے کو کیوں نہ ہو
لیوے جو بوالہوس سے بھی دل کو دیے بغیر

حشر صدقے ہے قد بالا پر
فتنہ قرباں ہے جنبش پا پر

تیرے ہوتے نظر پڑے کس کی ‏ حور و غلمان و خلد و طوبےٰ پر

کون مجنوں سے کہے نہ قیس کو پھر ‏ تجھ کو ترجیح دے جو لیلیٰ پر

پارہ کرتے ہیں تیرے کشتوں کے ‏ دیکھیں اب کیا بنے مسیحا پر

آئے طوفاں ابھی اگر پہنچے ‏ میری کشتی کنارِ دریا پر

دل وہ شیشہ ہی کردے دو ٹکڑے ‏ گر پڑے گرچہ سنگِ خارا پر

گرچہ ہی تنگ پر خرابی ہیں ‏ فوق ہی میرے گھر کو صحرا پر

بخت بد پر بری بنائیں گے ‏ مر کے ہم اُس کے روئے زیبا پر

دختِ رز رازدار ہی کس کی ‏ مہر ہی جو وہاں مینا پر

یار کو رحم آگیا شبِ وصل ‏ میری حسرت بھری تمنا پر

اب خرابی میں آگیا اصغر ‏ کہ دل آیا ہی ایک خود آرا پر

ردیف ز

تیری گفتار کہہ تو ما چو ناز ‏ سحر ہی یا کرشمہ یا اعجاز

نہ چھپی ناموافقت اُس کی ‏ طبع رہنے لگی مری ناساز

محتسب چل کہ حکم یار سے غیر ‏ پھر درِ میکدہ کرے تو باز

اتنو آنکھوں سے اُس کی لب دیکھی ‏ چاہ یارب سنا یہ تو آواز

ہی ستمگر ستم کو زے پھر ‏ مجھ سا بندہ ہو تجھ سا بندہ نواز

گر کہیں قصہ مختصر میرا ‏ اے ستمگر تیری عمر دراز

پوچھے تو میرے شعر کے معنی / کب کھلا بوالہوس پہ عشق کا راز
حیف یہ انتہا محبت کی / آہ اصغر وہ عشق کا آغاز

دستِ ستم نے پنجہ مروڑا نہیں ہنوز / ٹھکرا کے مجھ کو یار نے چھوڑا نہیں ہنوز
اے ذوق چاک سینہ نہ توڑا اس طرح سے آہ / ہاتھوں کو اُس کے سامنے جوڑا نہیں ہنوز
للہ دے مجھی کو کہ دُگنا ملے ثواب / خم محتسب یہ ایک کہ توڑا نہیں ہنوز
کیا جانے خون کاہے سے آتا ہی چشم میں / پھوٹا ہمارے دل کا تو پھوڑا نہیں ہنوز
سو بار دھار تیغ کے منہ پر سے مڑ گئی / منہ ہم نے ذوق قتل سے موڑا نہیں ہنوز
شیریں دہن بہت سخنِ تلخ بس نہ کہہ / سن رکھ کہ سم جہان میں تھوڑا نہیں ہنوز
تاثیر کی ہو عشق پنے کو جا چکا ہی سر / دامن سے اُس نے خون نچوڑا نہیں ہنوز
بدعہد تو نے چھوڑ دیا مجھ کو کب سے پیار / آ دیکھ تیرے عشق نے چھوڑا نہیں ہنوز

ای اصغر اتنے سنگ کیئے سر رگڑ کے خاک
اُس سنگ دل کی راہ میں روڑا نہیں ہنوز

ردیف ڑ

بگڑا ہوا ہوں سستیِ تدبیر تو نہ چھیڑ / مجھ کو بگاڑ کر میری تقدیر تو نہ چھیڑ
نہ بات کہنے کی ہو نہ سننے کی بے وفا / بس ہم سے قصۂ دلِ دلگیر تو نہ چھیڑ
اُٹھتا نہیں خیال میں بھی خامۂ ضعف سے / مجھ ناتواں کو حسرتِ تحریر تو نہ چھیڑ
بے رحم کہہ کے چھیڑے مبادا تجھے رقیب / حالت مری اگر ہوئی تغئیر تو نہ چھیڑ
مطرب صدائے ساز ہی ہجراں میں نفخ صور / بس بس ہمارے آگے مزامیر تو نہ چھیڑ
یاں تھا لحاظ ناز کی کوشش یار کا / نالہ کو میرے خجلتِ تاثیر تو نہ چھیڑ
دم میں قیامت آئے گی گر میں نے آہ کی / اُس نوجوان کو فلکِ پیر تو نہ چھیڑ
گر چھیڑنا ہی مجھ کو تو چھیڑ اور طرح سے / پر چھیڑنے کو غیر کی تقریر تو نہ چھیڑ

کیونکر پھنسے نہ دل کہ وہ کس کس ادا کے ساتھ
سکھتے ہیں میری زلف گرہ گیر کو نہ چھیڑ
ڈر ہی کہ آ نہ جائے وہ عیسیٰ نفس کہیں
اے مرگ اور بھی سے مجھے کچھ دیر تو نہ چھیڑ
یاں ڈھونڈھتے ہیں بات اُلجھنے کے واسطے
ناصح ہمارے پاؤں کی زنجیر تو نہ چھیڑ

اصغر سے گیرو دار نہیں خوب محتسب
خود رفتہ ہی یہ رندِ قدح گیر تو نہ چھیڑ

ردیف س

مارے ڈالے ہی ہم کو غم افسوس
مرتے ہیں غم کے مارے ہم افسوس
شکر ہیں اور ترا ستم صد شکر
بوالہوس اور ترا کرم افسوس
غیر کے گھر سے وہ ادھر نہ پھرا
نہ پھرا طالعِ دژم افسوس
ہو مزا پر ہی رنجِ رشکِ رقیب
وصل میں بھی ہوا نہ کم افسوس
نہ کیا اُس نے صید ہائے غزال
کھاتے ہیں آہوے حرم افسوس
ہائے طوفان گریۂ فرہاد
عیش خسرو پہ صد حشم افسوس
نہ تو ڈوبا نہ جل گیا گردوں
حیف اے آہ و چشمِ نم افسوس
گو ہیں رنجِ زیست ہی شاید
مجھ پہ کرتا ہی وہ صنم افسوس
کچھ دمِ نزع اوس کو لکھنا تھا
نہ اُٹھا ہاتھ میں قلم افسوس
دل سے تھا مجھ پہ حالِ خلق عیاں
تو نے توڑا یہ جامِ جم افسوس

بس بس اصغر نہ آہ کر شبِ وصل
بھول کم بخت ایک دم افسوس

ردیف ط

تم بھولے ہم کو جبکہ ہوا بوالہوس سے ربط
سمجھو تو ہم میں تم میں ہی کئی برس سے ربط

کس منہ سے شکوہ سنجی اغیار کیجیے
فریاد میں اثر ہی نہ فریاد رس سے ربط

گویا کسی کے وزدیِ بوسہ کا ہی خیال
کچھ ان دنوں میں ان کو ہوا ہی عسس سے ربط

کہتا ہی تو مرے تو مصیبت سے چھوٹ جایئں
اُس بے وفا کو ہو نہ کہیں ہم نفس سے ربط

جاتا رہا تمھاری طرف سے تو کیا گلہ
گویا نہیں ہی ہم سے تو کچھ اپنے بس کا ربط

اُس شعلہ رو کو ربط ہی یوں مجھ سے جس طرح
بجلی کو آشیاں کے مرے خار و خس سے ربط

آوارگی سے مونس و ہمدم نہیں کوئی
ای کاش ہو نصیب میں بانگ جرس سے ربط

صیاد کے ہو دل میں گر اتنی ہی آرزو
صحن چمن سے کام نہ کنج قفس سے ربط

مرجایئے تو فکر گریباں سے چھوٹیے
دستِ جنوں کو کاش ہو تارِ نفس سے ربط

اصغر ہیں آزمائی ہوئی دل فریبیاں
میں جانتا ہوں یار کا اہلِ ہوس سے ربط

ہر شب وہ جلوہ گر ہی مرے گھر بسانِ شمع
اچھا ہی بوالہوس کو رہے گر گمانِ شمع

ہووے مقابل اُن کے کہاں اتنی جانِ شمع
پروانہ ہی کی آنکھ میں کچھ ہو گی شانِ شمع

ہاں جاں گدازیاں طپشِ دل کی اور ہیں
نظروں سے گر پڑا میری سوز عیانِ شمع

کہتا ہی حال سوزِ دل اُس بت سے ای خدا
دے ایک دن کے واسطے مجھ کو زبانِ شمع

پروانے گرد شمع کے جلتے ہیں گر تو کیا
جلتی ہی تیرے عشق میں ای جانِ جانِ شمع

اُس مہروش کے جلوہ سے ہی روز و شب فروغ
ای شمع ساز اب تو بھلا رکھ دکانِ شمع

تسکیں سے ہو زیادہ طپش اہلِ سوز کی
تھوڑا سا پانی ڈال کے سن تو فغانِ شمع

کیا کیا نہ شب کو گرمیِ محفل تھی صبحدم
پروانہ کا اثر ہی کہیں نی نشانِ شمع

آتی ہی اس کے ذکر سے اُس شمع قد کی یاد
ہمدم شبِ فراق نہ کر تو بیانِ شمع

ہی اُن کی قدر مجھ کو کہ پروانے کے سوا
ناصح نہیں جہاں میں کوئی قدر دانِ شمع

پروانے خاک ہوگئے بس جل کے رشک سے
کیا کر کری ہوئی ہی ترے آگے شانِ شمع

جاتا ہوں بزم یار سے پر رشکِ غیر سے
پروانہ وار مضطر و گریاں بسانِ شمع

اصغر دھواں نکلتا ہی بجھنے کے بعد بھی
چھپتا ہی کب چھپائے سے سوزِ نہانِ شمع

عیشِ مرگِ عدو ہزار دریغ
کہ وہ کہتے ہیں بار بار دریغ

ناتوانی وہ دشت گردی حیف
پا فگاری وہ نوکِ خار دریغ

دل پر داغ غم سے خاک ہوا
جل گیا کیا ہی لالہ زار دریغ

مدعی گو عزیز تھے لیکن
یوں نہ کرتا تھا ہم کو خوار دریغ

روؤں کیا گردشِ زمانہ کو
پھر گئی مجھ سے چشمِ یار دریغ

توبہ کرتے ہی میری قسمت سے
آگھرا ابرِ نو بہار دریغ

کھانے پینے کی ہی قسم تجھ بن
جیتے ہیں کر کے زہر مار دریغ

آج کہتے ہیں مر گیا اصغر
تھا ہمارا بھی دوستدار دریغ

جتنے عاشق ہیں عام ایک طرف
آپ کا یہ غلام ایک طرف

سیر کو تک مرا گزار نہیں
بار در بار عام - ایک طرف

شوق کا بھی ہجوم آفت ہی
پاس کا اژدہام ایک طرف

کس نے جھانکا ابھی کہ چمکی تھی
برق سی سوئے بام ایک طرف

اوک کرتا ہوں خم اٹھا ساقی
رکھ صراحی و جام ایک طرف

سحر و اعجاز و لعل و در یکسو
وہ لب اور وہ کلام ایک طرف

اُن سا مہوش نہیں زمانے میں
ہند اور روم و شام ایک طرف

ہم سے واقف بھی وہ نہیں ابتک
رسم راہ و پیام ایک طرف

دل کے ٹکڑے ہی ڈھونڈھتا ہوں ابھی
زخم کا التیام ایک طرف

اصغر اُس کو ہیں اک بہانہ سے
پڑے رہنا مدام ایک طرف

صدمۂ رشک اُٹھانا موقوف
کوچۂ یار میں جانا موقوف

پردۂ الفت جو پردہ ہو جائے
کیجیے مونھ کا چھپانا موقوف

کچھ نہیں زہر تو کھانا ہوگا
کیا کہیں بن تیرے کھانا موقوف

دل جلوں کی بھی ہو کیا زیست کہ شمع
نہ جیے گر ہو جلانا موقوف

یار سے دل نہ پھرے گا ناصح
اب تو کر سر کا پھرانا موقوف

ایسا بیٹھا میں کہ محفل سے کیا
اُس نے مجبور اُٹھانا موقوف

سر پٹک کر میں گرادوں دیوار
گر کرے بام پہ آنا موقوف

بوالہوس اور بھی جاتا ہے کہیں
نہ کرو میرا بلانا موقوف

ناتوانی ہے یہی تو اصغر
فکر جاناں میں بھی جانا موقوف

جب تیر پھینکتے ہیں وہ نخچیر کی طرف
نخچیر آپ دوڑتے ہیں تیر کی طرف

یہ جلوہ چھوڑ دیکھے ہوا بے وفا رقیب
مہتاب کے تغیر تنویر کی طرف

سب دیدۂ غیر و لذت تقریر تا کجا
دیکھ اب مری بھی حسرت تقصیر کی طرف

ظالم تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا
دیکھا نہ میری بشتی تقدیر کی طرف

دیکھے ہی ہنس کے جب آئے دشمن وہ نوجواں
تکتے ہیں رو کے ہم فلک پیر کی طرف

دیکھ اپنی آبرو کو تو اے محتسب نہ آ
خود رفتہ ہم ہیں رند قدح گیر کی طرف

اب رشک روز و نالۂ شب ہیں وہ دن کہاں
رغبت تھی جو شراب و مزامیر کی طرف

ہو ایک تنگ دل وہ ستمگار دل نہ دے
اصغر نہ جا لطافت تقریر کی طرف

نہیں کس کو تیری گلی کا شوق
خاک میں مل گیا کسی کا شوق

واہ لذت مری محبت کی
ہو گیا اُن کو عاشقی کا شوق

تم بھی حیراں ہو اپنی صورت دیکھ
ورنہ کیوں ہے یہ آرسی کا شوق

ہجر میں موت کیوں نہیں آتی
کہ نہیں ہم کو زندگی کا شوق

جب کہا غیر کو نہ دینا دل
لگے کہنے ہمارے جی کا شوق

نہ نبھا مفلسی میں **اصغر** سے
تھا بہت ورنہ مے کشی کا شوق

محروم رہیں کیوں تری تقریر کے مشتاق
یہ بھی تو گنہ ہے کہ ہیں تشہیر کے مشتاق

نفرت سے ہی وہ صید فگن مجھ سے گریزاں
لو بھاگے ہیں نخچیر سے نخچیر کے مشتاق

وحشت ہی کسی زلف کے سودے میں یہ ناصح
دیوانہ نہ ہو ہم نہیں زنجیر کے مشتاق

تصویر تیری دیکھ کے حیراں ہوئے اتنے
تصویر بنے ہیں تری تصویر کے مشتاق

ہیں جنّ و ملک تجھ پہ فدا کیونکر اثر ہو
مرتے ہیں فسوں گر تری تصویر کے مشتاق

نے قید سے اندیشہ نہ زنجیر سے بھاگیں
ہیں کون بلا زلفِ گرہ گیر کے مشتاق

وہ ذبح کرے کاش کہ لیں پاؤں کا بوسہ
تقصیر سے ہم پہلے ہیں تعزیر کے مشتاق

دکھ شکوہ شبِ وصل اُتارا یہ ستم دیکھ
تھے ہم شبِ غم مہر کی تنویر کے مشتاق

خود موجد صد معنیٔ جاں بخش ہیں **اصغر**
ہم ہونے لگے کیوں سخنِ میر کے مشتاق

مشکل ہی تیرے ناز سے بچنا ستم تلک
غیروں کی زیست بھی ہی ہمارے ہی دم تلک

کس کا لحاظ جس کو خدا کا ہی ڈر نہ ہو
دل کیا کہ توڑ ڈالتے ہیں وہ قسم تلک

اُمید کیا رہے ہمیں اُن سے کہ اب اُنھیں
کیا کرم دریغ ہی جور و ستم تلک

صورت کہاں بجز اثرِ دل وصال کی
گزری ہمیں خوشی کی توقع تو غم تلک

غش بھی ہوئے بھی شبِ غم ہزار بار
لیکن کسی طرح سے نہ آئے وہ ہم تلک

اُس حرفِ تلخ کا تھا کسی میں اثر نہ تھا
ہجراں میں کھا کے دیکھ لیا ہم نے سم تلک

سینے میں تھی زبس تری الفت بھری ہوئی
لختِ جگر نہ آئے کبھی چشمِ نم تلک

شوق جو آپ نامہ نے مارا کہ آپ ہم
قاصد کے ڈھونڈنے کو چلے ہیں عدم تلک

کیا شوق تھا کہ بوسے پہ دل اُس نے لے لیا
راضی تھے ورنہ ہم تو کچھ اس سے بھی کم تلک

اصغر نہیں ہی کچھ تری تیغِ زباں سے دور
تسخیر ہو جو ہند سے ملک عجم تلک

شعلۂ غم سے جل کے ہو گئے خاک — آشیاں کے جو تھے خس و خاشاک
اب فغانِ فلک شکار سے گئے — صید جاں بہر زینتِ فتراک
ہی مرے ذوقِ چاک کے ہاتھوں — بخیہ میری طرح گریباں چاک
مژدہ ای ترکِ جان و رسوائی — حسن ہی شوخ عشق ہی بیباک
مر گئے سن جوابِ تلخ اس نے — زہر بھیجا وہی ہوا تریاک
تابِ شادی ہی اب نہ طاقتِ رنج — وصل خاشاک ہجر صد خاشاک
تم اٹھے بر سے ہم جہاں سے اٹھے — ناتواں ہیں پہ تم سے ہیں چالاک
محتسب ہاتھ مت لگانا دیکھ — ہو نہ جائے کہیں سبو ناپاک
دل کے جلنے کو آہ کیا کوسوں — ہوئی میری تو جان جل کر خاک
خوش ستم سے ہوں اور بن جائیں — ای خدا میرے نالوں سے افلاک

خلد میں جان لیتی ہی **اصغر**
دم بدم یادِ کوچۂ سفاک

وہ چلے قتلِ عدو کے لیے تلوار سنبھال — ای فلک تو بھی مری آہ کا ایک وار سنبھال
دم نہیں تلخیٔ ہجراں سے ذرا بھی ہی ہی — نہیں گرتا ہی مرے ہاتھ سے غمخوار سنبھال
حالتِ غش میں عیادت کو وہ آئے تو کیا — آپ کو اور ذرا ای دلِ بیمار سنبھال
نہ رُلاؤ کہ خرابی ہی جہاں کی کیا ذکر — سیل گریہ کو مرے سے لے در و دیوار سنبھال
ہجر میں جینے سے نادم ہوں قسم ہی تجھ کو — بات بگڑی مری ای مرگ تو اک بار سنبھال
ہیں تڑپتا ہوں گرے پڑ نہ اب تو دمِ قتل — اپنے دل کو مرے یار لے بھی تو ای یار سنبھال
اپنے پامالِ جفا کو بھی اٹھا خاک سے یار — اپنا دامن ہی نہ ہر دم دمِ رفتار سنبھال

ہم سمجھتے ہیں کہ اُس بت نے نکالا تجھ کو
سچ ہے ناحق تو نہ اے اصغرِ مکار سنبھال

نہیں منظور اُسے جلوہ دکھانا شبِ وصل
طعنۂ تابِ تحمل ہو بہانا شبِ وصل

صبح تک بندِ قبا کھولے رہوں منت سے
مجھ کو جینے دے جو حسرت کا زمانا شبِ وصل

دھیان آجائے رُلانے کا مرے اُس کو مبادا
دیکھ اے شمع تو آنسو نہ بہانا شبِ وصل

جان کر بوسہ کا ایسا وہ نہ ہو شادیِ مرگ
غیرِ کم فہم کو تم منہ نہ لگانا شبِ وصل

ہیں جدائی سے بتنگ آہ سے تو بس اے چرخ
عوضِ روزِ جدائی بھی بڑھانا شبِ وصل

چاندنی مار گئی اُس دلِ مجروح کو جب
یاد آیا ترا چھاتی پہ لٹانا شبِ وصل

فتنۂ روزِ قیامت ابھی برپا ہوگا
ہجر کا نام زباں پہ تو نہ لانا شبِ وصل

سنتے ہی نامِ سحر اُس سے موئے ہم شاید
ڈھونڈتی تھی اجل اپنا یہ بہانا شبِ وصل

آہ مرگ سے گیا شاد ہو جی روزِ فراق
یاد آتا ہے ترا ناز سے آنا شبِ وصل

بے حجابانہ ملے مجھ سے یہ رونے سے وہ
شرم سے صبح کو اب منہ نہ دکھانا شبِ وصل

لاکھ ہو شوق مگر پاسِ نزاکت سے ضرور
اس گل اندام کو اصغرؔ نہ ستانا شبِ وصل

روز ہنگامہ ہی پر وصل دل آرام سے کام
جان جائے کہ رہے اپنے ہمیں کام سے کام

روزِ ہجراں کو نہ شام اور نہ شبِ غم کو سحر
اے منجم ہمیں کیا گردشِ ایام سے کام

تلخیِ ترکِ ہوس اہلِ ہوس کو ہو نصیب
ہو گیا اپنا تو بس لذتِ دشنام سے کام

کاش پھنس جاؤں کسی اور بلا میں یارب
نہ پڑے پر مجھے اُس زلفِ سیہ فام سے کام

کونسا عشق میں ناکام رہا پر ناصح
سچ ہو یا جھوٹ ہو تجھ کو سرِ الزام سے کام

ہم ہیں اور لب پہ گلہ حسرتِ ناکامی کا
لبِ ساقی سے غرض ہی نہ لبِ جام سے کام

خلوتِ یار میں دشمن کی رسائی افسوس
نہ رہا جلوہ گری ہائے لبِ بام سے کام

روز و شب خاک پہ بے ہوش پڑا رہتا ہوں
کہ پڑا ہی مجھے اصغر بتِ خودکام سے کام

بات کیا ہی یہ کہیں جس کے لیے یار سے ہم
کاٹ لیں اپنا گلا آپ ہی تلوار سے ہم

حال کچھ پوچھیں گے جی میں ہی کہ اک دم کے لیے
مانگ لیں اپنا دل اُس طرۂ طرار سے ہم

سچ ہی یہ بات کہ صحبت کا اثر ہوتا ہی
دیکھو بیمار ہوئے نرگسِ بیمار سے ہم

بے وفا نکلے تو تم سے بھی محبت معلوم
زندگی سے ہیں اسی واسطے بیزار سے ہم

لاغری یہ ہی کہ مشکل سے نظر آتے ہیں
چشمِ دشمن میں کھٹکتے ہیں مگر خار سے ہم

کیا غضب رشک عدو ہی کہ اُسے دیکھتے ہی
باغِ جنت کو چلے کوچۂ دلدار سے ہم

اپنے رونے پہ ہنسے دیکھ کے جب غیر کو تم
دیکھ کر سوئے فلک رہ گئے ناچار سے ہم

کوئی کرتا ہی ملامت کوئی کرتا ہی کرم
کوچۂ یار میں بیٹھے ہیں گنہگار سے ہم

دیکھ یاسِ اثر و سادہ دلی کو بے رحم
تم دعا وصل کی دو کہتے ہیں اغیار سے ہم

طلبِ وصل میں بس بس نہ ہو بیتاب اصغر
موت بکتی ہی کہ لے دیں تجھے بازار سے ہم

پسِ مرگ نالاں ہیں شیون سے ہم
ہوئے بے مزہ ذوقِ مردن سے ہم

نظر میں محبت ہی اغیار کی
نہ شرمائیں کیوں تیرے چتون سے ہم

وہ ضد سے ہوئے گرم قتل عدو
جلے آتش عرض کشتن سے ہم

زمیں سے اٹھا شوق سے تو کہ ہیں
سبک تر کہیں تیری چلون سے ہم

یہ غم تھا کہ کیونکر ہوا اس کوچے میں دفن
ملے خاک میں ملکے مدفن سے ہم

بنے دشمن جاں خیالات قتل
جدا سر کو کرتے ہیں گردن سے ہم

غضب کین اعدا سے ہیں قہر ہے
کریں دوستی کیونکہ دشمن سے ہم

بنے قیس بازیچہ میں بارہا
جنوں کے ہیں خوگر لڑکپن سے ہم

ایضاً

راحت میں ابھی پستی طالع سے نہیں ہم
تڑپے تو گئے اور فزوں زیر زمیں ہم

بہتر ہے کیا خاک کہ تم کہتے ہو ہر دم
ہیں زہرہ ادا زہرہ لقا زہرہ جبیں ہم

گر اب بھی جفا میں ہو تغافل تو ستم ہے
مانا کہ عنایت کے سزاوار نہیں ہم

اے دست جنوں خاک اڑا ایک سمجھ کر
دم اور رکے گا جو دبے زیر زمیں ہم

میخانہ کا تھا قصد ہوئے وارد مسجد
جانا تھا کہیں مستی میں آ نکلے کہیں ہم

تھا خوف انھیں کس کا جو بے مہر نہ ہوتے
ناحق فلک و غیر سے ہیں برسر کیں ہم

آتا ہے مزا جور میں گو رشک سے جی جائے
مانع نگہ ناز کو سرمہ سے نہیں ہم

آوارہ پھرے سے بھی تو ہوتے ہیں ذلیل آہ
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ چل بیٹھیں وہیں ہم

امید نے مرنے نہ دیا عشق میں ورنہ
کیا کیا تری بیداد پہ کرتے تھے یقیں ہم

بیٹھے ہیں سر رہ نکل اس بزم سے اصغر
تھے صدر نشیں پر ہوئے اب خاک نشیں ہم

آشفتہ ہیں نہ زلف جاناں ہم
کیوں پریشاں ہیں کیوں ہیں حیراں ہم

کاش پوچھیں وہ کیوں کہا تم نے
کہ وفا کرکے ہیں پشیماں ہم

عشق اب سر کے بل پھرائے گا
آہ قیدی ہیں پابجولاں ہم

شب وعدے کی صبح نے لوٹے
کررہے تھے جو دل میں ساماں ہم

عشق کی انتہا اک آفت ہی
ابتدا میں عبث تھے شاداں ہم

لاغری کی ہیں منتیں کہ رہے
آسماں کی نظر سے پنہاں ہم

جلد وہ زلف اب دکھا یارب
بس بہت رہ چکے پریشاں ہم

جب تلک تو سیئے میرا دامن
پھاڑیں ناصح ترا گریباں ہم

نازِ جاناں نصیبِ دشمن حیف
جا نکر تھے جفا سے نالاں ہم

یہی ارماں رہا دمِ مردن
کہ چلے ساتھ لے کے ارماں ہم

گر یہی شوق ہی تو ای اصغر
کھو رہیں گے دل و سر و جاں ہم

وہ مژہ وہ رُخ وہ ابروے سراپا نورِ چشم
چشم بد دور آپ وہ کرتا ہی کیا نذرِ چشم

خاکِ پا اُس کی مری آنکھوں میں ڈالی ای چارہ گر
گر رُکے رسنے سے پانی بند ہو ناسورِ چشم

نیش سی آنکھوں میں کھٹکے ہی نظر بے شوقِ وقت
آنکھ میں پتلی نہیں گویا کہ ہی زنبورِ چشم

بزم میں ترتیب دی ہم نے پئے تفریحِ طبع
پر ہوا غم دیکھ کر ساغر کہ تھے مخمورِ چشم

اُن نگاہوں پر ہیں مائل سیکڑوں جادو نگاہ
سحرِ بابل جن سے ہو سحور ہیں مسحورِ چشم

بے مددِ لختِ جگر کے اب پلک ہلتے نہیں
ایک زمانہ تھا وہ جو نظّارہ تھا دستورِ چشم

اصغرِ بیمار کا عیسیٰ ابھی کر کر علاج
اس کی رنجوری ہی صحت ہی کہ ہی رنجورِ چشم

کچھ یاس سے خفا ہیں نہ خوش آرزو سے ہم
شاداں نہ ہم سے کوئی نہ محزوں کسو سے ہم

اس نے کہا ہی جو وہ تو کہے بے دھڑک ندیم
آخر سمجھ چکے ہیں تیری گفتگو سے ہم

دل کا معاملہ ہی برا دیکھیں کیا بنے
چتون کو اُس کی دیکھ کے ڈرتے ہیں غصّے سے ہم

ہو جن کی جن سے لاگ ملیں سب خدا کرے
خنجر کو تیرے دور رکھیں کیوں گلو سے ہم

پہلی سی مے کشی کا تو مقدور ہی کہاں
پر شکر اب بھی کم نہیں پیتے سبو سے ہم

قسمت سے ہاتھ آئے وہ گل یا نہ ہاتھ آئے
پھولوں صبا نہ باز رہیں جستجو سے ہم

شرم آئی روزِ داد کہ سمجھے نہ دادخواہ
قاتل کے اپنے ہٹ گئے بس روبرو سے ہم

تم بھی تو قصۂ غمِ اُلفت سنو کبھی
رنگین کرتے ہیں اِسے دل کے لہو سے ہم

ای جہان یہ تو سچ کہ بھلے ہم نہیں ہیں کچھ
لیکن نہ اس قدر کہ بُرے ہوں عدو سے ہم

دونوں ہیں اک عذاب میں غارت ہو کاش دل
عاجز فگار کرنے سے وہ اور رفو سے ہم

عقبیٰ کی کیا اُمید کہ یاس اپنی دیکھ کر
منکر ہیں **اصغر** آیۂ لاتقنطوا سے ہم

جاتے نہ کوئے یار میں یوں زینہار ہم
اس شوق کا بُرا ہو کہ ہوتے ہیں خوار ہم

صیاد نے کیا ہی خزاں میں رہا دریغ
لائیں کہاں سے اب تجھے فصلِ بہار ہم

یہ جانتے گر آہ تو بنواتے کاہے کو
اُس کوئے میں اپنے جیتے جی اپنا مزار ہم

کب میری مشتِ خاک کا باقی نشاں رہا
اتنا کہ تیرے دل پہ ہوں ظالم غبار ہم

مایوس ہی ہلاک کیا تو نے بس مجھے
بے دید دیکھ تجھے بہت اُمیدوار ہم

خواہش وصالِ بت کی چلے ساتھ لیک حیف
امیدوارِ بخشش آمرزگار ہم

واعظ کے آگے توڑیں گے ساقی نہ وہم کر
ہیں جمعہ کی نماز تلک روزہ دار ہم

رشک پر تو یہ ستم ہیں برا ہو وفا ترا
کھو آئے امتحان میں دل کا قرار ہم

دی جان دشمنوں نے شب وصل رشک سے
اس پر ہزار جی سے ہوئے جاں نثار ہم

اصغر کہاں تلک کہیں اچھی نہیں ہے چاہ
دشمن تو بن گئے ترے نزدیک یار ہم

لاغری سے نظر آتا ہی نہیں اصلا میں
ہوں میں اس طرح جہاں میں کہ نہیں گویا میں

وعدے پر جا پھر آنے کے جیوں گا کیا میں
آپ جیسا مجھے سمجھے ہیں نہیں ویسا میں

ناصحا سچ ہے کہ سمجھانا تھا دل کو لیکن
دل کچھ انسان نہیں تھا جسے سمجھاتا میں

بات خلوت میں جو کہہ لیتے تو کیوں بڑھتی بات
شرم بے فائدہ کی تم نے ہوا رسوا میں

حشر پر وعدۂ دیدار جو سچ ہو تو کروں
ابھی اک حشر قیامت کے سوا برپا میں

نہ ستمگر کوئی تجھ سا نہ جفاکش مجھ سا
غیر کیا ہے مرا ہم مثل ہے تو تیرا میں

شوق نظارہ سے افزوں تھی کہیں غیرت رشک
بیٹھتا کوئے ہوسناک میں جا کر کیا میں

بزم سے غیر کو بھی کھینچ کے لے آنا تھا
تیرے کیا اپنے بھی نزدیک برا نکلا میں

کشور عشق کی رسموں پہ ہوں نازاں یعنی
واں معزز ہوا یاں اور ہوا رسوا میں

نہ چلے اٹھ کے بر غیر سے وہ نعش کے ساتھ
اصغر افسوس کہ جاں مفت میں کھو بیٹھا میں

وصل کی شام شب اور ہجر کے دن شام نہیں
کیا قیامت ہے کہ وہ گردش ایام نہیں

کیا کہوں شدت شوق و ستم رشک کہ روز
قاصد اک بھیجتے ہیں اور کوئی پیغام نہیں

کشتۂ ناز ہیں ہم روزِ ازل سے یعنی
سرِ آغاز ہمارا بجز انجام نہیں

گر گماں اور سے ملنے کا نہ ہو تو دمِ قتل
تم کو الزام ندوں گو مجھے الزام نہیں

کر آرام سے آیا بغلِ غیر پہ رحم
کہ بغل میں ہے وہ شوخ اور مجھے آرام نہیں

پھر خوشی کیا ہو تیری بزم میں اے ساقیٔ دہر
پسِ خم خم تو کہاں جام پسِ جام نہیں

حاصلِ کام کی امید بر آئے اے وائے
آج پہلو میں ہمارا دلِ ناکام نہیں

طعنۂ زندگیٔ شامِ جدائی بے جا
جاں فزا کیا ہوسِ بوسہ و دشنام نہیں

آج آنے کو ہے کوئی تو دل آرا اصغر
بے سبب تو ترے گھر کا یہ سرانجام نہیں

مجھ کو وہ گرمیٔ اغیار سنا جاتے ہیں
کبھی آتے ہیں تو اور آگ لگا جاتے ہیں

نہ بلاؤ نہیں تم پر اسی امید پہ ہم
پھرتے چلتے تمہیں فریاد سنا جاتے ہیں

گھر میں پوشیدہ ہوسناک کو جاتے دیکھا
اب کوئی ہم ترے کوچہ سے بھلا جاتے ہیں

واں ملے حور تو کیا وصلِ صنم کی حسرت
یاں سے دل میں لیے ہم اب تو خدا جاتے ہیں

دودِ دل اور میری جان جلاتا ہے کہ یہاں
کبھی آتے ہیں تو وہ ہو کے خفا جاتے ہیں

تم جو اک رات بھی آتے نہیں یاں تک مجھ کو
حسرت آتی ہے کہ دن عمر کے کیا جاتے ہیں

دور اے رشک کہ مدت ہوئی دیکھے اُن کو
کوئے دشمن ہی میں پھر آج ذرا جاتے ہیں

حسرت اے طالعِ خوابیدہ کہ پھر برسوں نیند
نہیں آتی وہ اگر خواب میں آ جاتے ہیں

نہیں امکان کہ وہ قبر پر آویں اصغر
اپنے اندوہ کوئی بعدِ فنا جاتے ہیں

فریادِ جور لب پہ جو روزِ جزا نہیں
بھولے ہم اب بھی وہ نگہ سرمہ سا نہیں

کچھ ذوقِ زخمہائے نمک سود کا نہیں
کیا بوالہوس کی زیست کہ مطلق مزا نہیں

سمجھے نہ یہ کہ طاقتِ جورِ جفا نہیں
اپنے سے ہے گلا مجھے تم سے گلا نہیں

دل کی طپش ہے دشمنِ جاں ہو شبِ فراق
کیا جیتے صبح تک کہ دل اک دم تھما نہیں

جلتا نہیں ہے خرمنِ ہستیِ غیر اور
کم برق سے مرا نفسِ شعلہ زا نہیں

کہتا ہے اپنا حال عبث کیوں کیا نباہ
کیونکر کہوں اُسے میری اُلفت ذرا نہیں

تیرے خرامِ ناز نے ظالم کیا ہے خاک
پامال میں کبھی ستمِ چرخ کا نہیں

اب کوئی تیرے ہاتھ سے جاتا ہے حشر تک
عاشق کا رنگِ خوں ہے یہ رنگِ حنا نہیں

رنجیدہ جاتے ہو دمِ طغیانِ بحرِ اشک
پھر بھی کہو گے تم کہ میں ناآشنا نہیں

گھر کیونکر ایک دم کے لیے جانے دوں تمہیں
کچھ اعتبارِ زندگیِ بے وفا نہیں

لڑتی ہے آنکھ یار سے اے بوالہوس سرک
میدانِ جنگ ہے یہ تماشہ کی جا نہیں

ہے وقتِ مرگ بھی اُسے بیداد کا خیال
آنکھیں تو پھر گئی ہیں مگر دل پھرا نہیں

روزِ جزا اسکا غلغلہ **اصغر** سُنا کرو
ہرگز شبِ فراقِ صنم سے سوا نہیں

ہر بات پر ہماری نہیں کب وہاں نہیں
دشمن کی بات کونسی ہے جس پہ ہاں نہیں

دعوے ہے غیر کو کہ نہیں خوفِ جاں نہیں
مرتا ہوں میں کہ اُن کو مرا امتحاں نہیں

کب دل گداز حوصلہ سوزِ نہاں نہیں
کب لب پہ میرے نالۂ آتش فشاں نہیں

اُس تند خو کی رنجشِ بیجا کا کیا علاج
دُنیا میں چارۂ اجلِ ناگہاں نہیں

یارب کہاں تلک ستم اس کے اُٹھا سکوں
آخر ہیں کچھ شیفتۂ آسماں نہیں

آئی ہے شامِ ہجر قیامت ہزار بار — آثارِ صبح چرخ پہ اب تک عیاں نہیں

اخفائے رازِ عشق ہے منظور گو ہمیں — پر حالِ زار یہ ہے کہ کچھ بھی نہاں نہیں

میرے تمام ہونے سے کیونکر تمام ہو — ظالم شبِ فراق ہے عمرِ رواں نہیں

باغِ بہشت کو میں جہنم بنا دوں گا — گر دھیان آ گیا کہ یہ کوئے بتاں نہیں

گھر میں ترے عدو کو کھٹکنے دوں ذکر کیا — اتنا تو میری جان میں ابھی ناتواں نہیں

کیوں وقتِ مرگ نالش روزِ جزا پہ جنگ — تابِ سخن بھی مجھ میں تو اے بدگماں نہیں

اصغر خموش ہو رہے پڑھ کر جو چند شعر
کیا اس دیار میں کوئی اہلِ زباں نہیں

تسکیں کی اور تو کوئی صورت یہاں نہیں — لاویں زباں پہ نام ترا سو زباں نہیں

بیخود ہیں بے حواس ہیں تاب و تواں نہیں — وہ کیا یہاں نہیں ہے کہ ہم خود یہاں نہیں

اے ہم نفس یہ حسرتِ دیدار دیکھنا — روتا ہوں زار زار پر آنسو رواں نہیں

ہوتی ہے اب جفا بھی تو دشمن کی جان پر — تم کو خیالِ رنجِ دلِ دوستاں نہیں

یہ نازکی تو دیکھ تو کہتا ہے پند گو — اس ضعف میں بھی وہ ترے دل پر گراں نہیں

کیونکر کھلے معاملۂ شوق و التفات — وہ کم سخن ادھر مرے منہ میں زباں نہیں

ساری بہار سایۂ گلبن میں کٹ گئی — مجھ سے زیادہ کوئی خراب آشیاں نہیں

بے صرفہ سعی سے غمِ آوارگی قبول — میں پیروِ غبارِ پسِ کارواں نہیں

سارے ستم قبول جو رشکِ عدو نہ ہو — یہ دشمنی ہے ناز نہیں امتحاں نہیں

یوں کج روش ہے چرخ کہ گویا ہمارے پاس — آہِ شرر فشاں مژۂ خوں فشاں نہیں

شاہد ہے تیرے کینہ سے امیدِ ترکِ عشق — ناصح ہمارے حال پہ اب مہرباں نہیں

مرگِ طرب سے خوش ہوں کہ بیم فراق ہے
شامِ وصال حسرتِ تاب و تواں نہیں

کیوں بند کر دیں میکدہ جا تیری خیر ہو
جانا کہ محتسب ہے تو پیرِ مغاں نہیں

حالِ تباہ کے ہیں یہ قصے یقین جان
ہے بے وفا رقیب اگر بدگماں نہیں

عالم وہی ہے عشق وہی بعد مرگ بھی
کہتا ہے کون جان نہیں تو جہاں نہیں

آداب عشق تھا نہ لڑے ذکرِ غیر پر
ورنہ کسی کے بس میں کسی کی زباں نہیں

پیری میں سر نہ ہلنے کا کیا شکوہ ضعف سے
زیبا نہیں یہ عشق اتم اصغر جواں نہیں

غیر دابے سامنے میرے تمہارے ہاتھ پاؤں
کیوں نہ پھر کانپیں مرے غصہ کے مارے ہاتھ پاؤں

ہرزہ گردی سینہ چاکی سے نہیں اک آن چین
اس سے بہتر تھا جو شل ہوتے ہمارے ہاتھ پاؤں

داب زانو سے نہ غیرِ بے ادب کو وقتِ ذبح
دکھ نہ جائیں تیرے نازک ہیں پیارے ہاتھ پاؤں

ہو گئی اب میرے رنگ خوں سے رونق اور کچھ
خوب تھے ہر چند پہلے بھی تمہارے ہاتھ پاؤں

جائیں گے ہم واں لپٹ کر دست و پا مور سے
کیا کریں ہلتے نہیں اب بے سہارے ہاتھ پاؤں

گرچہ ہوں بے دست و پا پر غیر کا مقدور کیا
جو ہلا تا مجھ سے بے تیرے اشارے ہاتھ پاؤں

شعلہ رو اب رحم کر کیا سرد مہری بعدِ مرگ
ہو گئے ٹھنڈے ترے بسمل کے سارے ہاتھ پاؤں

تا نہ تڑپیں ہم نہ آئے رحم تجھ کو وقتِ قتل
اپنی آنکھیں باندھو قاتل ہمارے ہاتھ پاؤں

خون ہے دل سادہ رو مہندی کی رنگت دیکھ کر
آج کس بے رحم نے تیرے سنوارے ہاتھ پاؤں

بڑھ گیا دردِ جگر سے جسمِ لاغر پر ورم
اب نظر آنے لگے بھاری ہمارے ہاتھ پاؤں

تیری لے لیتے بلائیں آسماں سے آن کر
اے قمر طلعت اگر رکھتے ستارے ہاتھ پاؤں

دامنِ جلاد ہاتھ آیا نہ اصغر ہائے ہائے
خاک و خوں میں دیر تک ہر چند مارے ہاتھ پاؤں

فائدہ پایا نہ تسکین دلِ بے تاب میں — خواب تو آیا ولیکن وہ نہ آیا خواب میں

ہجر کی ہوگی شبِ غم تو سحر کب کی مگر — تیرگی قسمت سے ہے خورشیدِ عالمتاب میں

تیر خنجر دیکھ کر کچھ جان میں جان آگئی — تھی مگر آمیزشِ آبِ بقا زہر آب میں

پھر گیا پیشِ نظر لطفِ وصالِ مہ جبیں — ہوگیا تاریک یاں عالم شبِ مہتاب میں

ایک نظر دیکھا کہ بس غش آگیا ہنگام ذبح — بخت جاگے تھے ہمارے لیک جوشِ خواب میں

یہ دلِ بیتاب پہلو میں مرے زیبا نہ تھا — چاہیے تھی اس کی جاگہ معدنِ سیماب میں

کیوں نہ میں مضمون الفت اس میں اصغر باندھتا
جو محرک ہیں غزل کے ہیں میرے احباب میں

اے دل حصول کیا جو گلہ غیر کا کروں — اس کے سوا کہ یار کو ناحق خفا کروں

تم غیر سے ملو تو میں کیا چپ رہا کروں — تم کو نہ ہو لحاظ تو میں کیوں حیا کروں

وہ بے نیاز اور وہ بے رحم کیا کروں — ہے ہے صنم کروں میں کہ ہے ہے خدا کروں

دیکھیں گے کس کے قول کو دونوں میں ہے ثبات — ہاں تم تو اب جفا کرو اور میں وفا کروں

آتی نہیں ہے یار کی ہرگز خبر کہیں — میں کیا کروں کہ خاطرِ دشمن میں جا کروں

کرتے ہیں جرمِ عشق پہ وہ قتل جی میں ہے — اک چند بوالہوس کو میں عاشق کہا کروں

تجھ پر بھی وہ خفا ہوں تو کیا ہوئے اے عدو — ہنسنے کی جا نہیں ہے اگر رو دیا کروں

غفلت شعار مرگ و ستم اضطرابِ دل — کس کس کی جان کو میں شبِ غم دعا کروں

اصغر بیاں نہ ہوئے گی شوخی کلام کی
یارو ادائے یار کا کیا حق ادا کروں

رہ گیا ہی جو ترا نقشِ کفِ پا گھر میں
پڑ گل گشت و عبادت ہی مصلا گھر میں

جوشِ سودا کا ہی از بس کہ تماشا گھر میں
اتنی کثرت ہی کہ میری بھی نہیں جا گھر میں

جب گئے آپ مجھے چھوڑ کے تنہا گھر میں
گور میں جو کہ گزرنا تھا سو گزرا گھر میں

کس قدر دردِ محبت میں مزا آیا ہی
دم نکل جائے اگر آئے مسیحا گھر میں

اُس کے دل میں نہ رہی جائے پسِ رسوائی
ہوئے دیوانے تو کیا کام ہمارا گھر میں

جب نہ آئے وہ تو گھبرا کے عدم کو چلے ہم
کیا کریں دل کسی صورت سے نہ بہلا گھر میں

کاٹتا ہی تیرے بن کلبۂ احزاں مجھ کو
قتل گہ کی سی اُٹھاتا ہوں میں ایذا گھر میں

کس کے آنے کی تمنا میں ہوں بیخود یا رب
کہ مرے آپ سے جانے کا ہی چرچا گھر میں

اشک تودیع کو ہی خانہ خرابی منظور
جب تلک گھر ہی میرا اور ٹھہر جا گھر میں

نہ دل و دیں نہ زر و مال نہ جاں بہرِ نثار
یار آتا بھی تو **اصغر** ترے کیا تھا گھر میں

جان کو اُن سے ستمگر پہ فدا کرتے ہیں
آپ حیراں ہیں ہم آپس میں کہ کیا کہتے ہیں

ہوئی دیر اور جنازے پہ نہیں آئے وہ
ہوں میں از بس کہ ستم کشتہ حیا کرتے ہیں

بیکسی دیکھ کہ ہم آپ ہی اپنے پھر دل
مرنے پر روتے ہیں جینے پہ ہنسا کرتے ہیں

بیٹھ رہنے نے گلی سے بھی نکالا افسوس
ہم تو سمجھے تھے کہ دل میں ترے جا کرتے ہیں

دل ہوا سینہ میں زندہ تیری ٹھوکر کے بغیر
بے قیامت کہیں مُردے بھی جیا کرتے ہیں

دیکھنا ظلم کہ دشمن کے کہے سے مجھ پر
نہیں کرتے وہ جفا کیسی جفا کرتے ہیں

بحث ناصح سے گلہ یار سے اغیار سے جنگ
ہم ہیں دیوانے یہ سب کام کیا کرتے ہیں

کیا نکالیں گے وہ بت خانہ سے اے **اصغر** آپ
کہ جو مسجد میں پڑے ہائے خدا کرتے ہیں

لیے قدم تو کیا اس نے پائمال نہیں
کمال شوق کے باعث ہوا زوال نہیں

کہاں تصورِ وصل اب وہ ہائے محرومی
یہ ضعف ہے کہ نہیں طاقتِ خیال نہیں

عدو کے رنج سے بھی ہم نہ خوش ہوئے یعنی
اُنھیں ملال ہوا تو ہوا ملال نہیں

عبث دماغ فلک پر ہے ماہ کامل کا
کہ ساتھ داغ جگر کے ملا کمال نہیں

خفا ہوئے تو ہوئے خود ہی صاف دل للہ
ہمارے قصہ کا سونپا تھا انفصال نہیں

نہ پوچھ وقتِ عبادت ہمارو کی جانب سے
ذرا تو ہونے دے آئے وفا بحال نہیں

غلط سمجھتے تھے ہم جاں کو بے وفا یعنی
کہ ساتھ نکلے جو اس نے دیا نکال نہیں

ہماری قبر پہ اے حشر کیوں یہ ہنگامہ
کہ اب تلک نہیں بھولی کسی کی چال نہیں

یہ اتحاد ہے بے پردہ خواب اعدا میں
کبھی وہ سنتا ہیں تو ہوتا ہے انفعال نہیں

کیا جو کچھ بھی تغافل تو پھر نہ سنبھلیں گے
سنبھالنا ہے تو جلدی سے لو سنبھال نہیں

نہ پوچھ حال کچھ اصغر کے بے خودی کے سبب
یہ حال ہے نہیں معلوم اپنا حال نہیں

ہے روزِ ہجر تو ہم جہاں سے چلتے ہیں
یہ دل ڈھلے نہ ڈھلے اپنے منکے ڈھلتے ہیں

وہ دیکھتے ہیں تماشا کہ دیکھتے ہیں ادھر
نظر کے ساتھ عجب رنگ ہم بدلتے ہیں

نہ پوچھ سوزشِ گریہ سے میرے سینے کا حال
جو آنسو پونچھتے ہیں اُن کے ہاتھ جلتے ہیں

ہے رشکِ نہر ہر اک نیم قطرہ اشک اپنا
ذرا سے پانی پہ فوارے کیوں اچھلتے ہیں

جو آرزو ہے وہ بہتی ہے خوں ہو آنکھ کی راہ
یہ جوشِ یاس سے ارمان جگر سے نکلتے ہیں

فغاں سے کرتے ہیں اک شورِ حشر برپا
جہاں بگڑتا ہے ہم جب کبھی سنبھلتے ہیں

جلے یہ سوزِ جگر میرے سینے میں اُس کے
نشان تھے کئی یکساں سو اب پگھلتے ہیں

فقط نہ پیسا ہے اس آسیائے گردوں نے — کہ سبزہ رنگ بھی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

ہم اس کی نرگس جادو پہ مرتے ہیں یعنی — کہ جس کے سایہ میں فتنے ہزاروں پلتے ہیں

نہ آئے یار تو ہوتی نہیں تسلی دل
امید مرگ پہ اصغر کوئی بہلتے ہیں

کب ہوئے خوش ملکے اپنے گلبدن ایک دن — کب ہنسے ہم نغمۂ مرغ چمن سے ایک دن

وصل کی شب ہو میسر اے خدا اٹھے نہیں — شور شادی کا مرے بیت الحزن سے ایک دن

سیکڑوں دن ہجر کے یونہی کٹیں گے دیکھیے — شمع رو گزرا ہے تنور رنج و محن سے ایک دن

دل کو ٹھنڈا کر کے رہ جائے گی گرمی کیں چاہیئے — غیر جل کر خاک ہو میری جلن سے ایک دن

بستیوں کی سیر سودے میں کہاں یہ بھی بس ہے — چھوڑیں سر سنگ مزار کوہکن سے ایک دن

عمر گزری اے پری رو آرزوئے وصل میں — ہو چکی وحشت کہیں دیوانہ پن سے ایک دن

غیر کے گھر بھیج شام ہجر کو اب اے فلک — پھونک دونگا ورنہ آہ شعلہ زن سے ایک دن

اے زلیخا ہم نہ ہوں یوں شام دوری دماغ — بوئے یوسف آئے گر اس پیرہن سے ایک دن

گر یہی ہے تفرقہ سازی گردوں دیکھنا — ہم چھٹیں گے جان اور جان تن سے ایک دن

کیا سیہ روزی ہے اصغر کم نہ دیکھا عمر بھر
تیرگی شام زلف پر شکن سے ایک دن

وہ زخود رفتۂ چشم بت مے نوش ہوں میں — کبھی ساغر نظر آجائے تو بے ہوش ہوں میں

کہیں آجائے کہ بلا لینے کی پھر ہوش نہیں — کم تری یاد میں اب وعدہ فراموش ہوں میں

تیرا وعدہ ہی قیامت میرا نالہ ہی غضب
آفت چشم ہی تو اور ستم گوش ہوں میں

داغ کثرت سے بدن پر نہیں کھاتا بے وجہ
دل خوں گشتہ کے ماتم میں سیہ پوش ہوں میں

آرزو سے نہیں رہتا کبھی دم بھر خالی
ہی بجا گر یہ کہوں غیر کی آغوش ہوں میں

غش کے جاتے ہی پھر دیا ہوں کہ پھر غش آیا
شامت گریہ سے دریا کا سا ایک جوش ہوں میں

دیکھ ای شوق مجھے رشک سے شرمندہ نہ کر
بعد ہم دوشی اغیار بھی بے ہوش ہوں میں

کیوں نہ نادم ہو میری جور کشی سے گردوں
کہ فدائے ستم شوخ ستم کوش ہوں میں

جاں گئی پر نہ گیا سوز جگر ای **اصغر**
ہو گیا خاک تو کیا آتش خاموش ہوں میں

شب غم سرمہ چشمان فسوں ساز نہیں
کیوں یہ حالت ہی کہ نالاں ہیں پر آواز نہیں

حسرت بوسہ نے ہر چند بن آئے مارا
دم عیسی کو بھی دعوی اعجاز نہیں

کیوں سر شام یہ دروازہ عدو کے گھر کا
بند رہتا ہی جو فتنہ اگر باز نہیں

ذکر محشر سے ہوا غیر کو فکر انجام
میرے افسانہ کی تمہید ہی آغاز نہیں

صورت بلبل تصویر ہوں گلشن میں اسیر
ہی مجھے بیم رہائی غم پرواز نہیں

تو وہ ہرجائی ہی معشوق کہ کوئی میرے سوا
گلہ منسد فلک تفرقہ انداز نہیں

جاں نثار ہر جلاد ہوئے پیش از قتل
ہی وہی عاشق جانباز کہ سرباز نہیں

ہی تغیر میری صورت کو مصور ہر دم
مری تصویر کو کچھ حاجت پرواز نہیں

غیرت محرمی غیر کہے آپ کے کون
رشک سے یاں تو کوئی محرم ہمراز نہیں

گریہ و آہ کی مجھ کو بھی اجازت ہو جائے
تیرے کہنے میں اگر غمزۂ غماز نہیں

شکر ہی نغمہ و گل ریز نوا کیوں **اصغر**
طوطی ہند نہیں بلبل شیراز نہیں

عہد وفا ہی جھوٹ ہو سچ کو کیا کہوں | میں بے وفا نہیں کہ اُسے بے وفا کہوں
روز جزا حجابِ وفا نے ستم کیا | یہ منھ نہ تھا کہ حال تیرا ایک ذرا کہوں
خورشید مثلِ ماہ ہو تشبیہ کے لیے | بھولے سے بھی اُسے میں اگر بے وفا کہوں
روتا تھا ذوقِ قتل کا زیبا ہوا اب اگر | زخمِ نما کو خندۂ دنداں نما کہوں
ہوگا خفا وہ کہیں عدو ہی کے اور بھی | چپ ہوں کہ بے وفا نہ کہوں ان کو کیا کہوں
غصہ ہی سیکھا آہ گر آتا نہیں ہی رحم | بس کب تک اپنے نالے کو میں نا رسا کہوں
جیتا رہا فراق میں مرنے کی آس پر | ہر درد کو بجا ہی گر اپنی دوا کہوں

اصغر صنم کا جی نہ جلا حال پر کبھی
دوزخ کو کیا میں اپنا دم شعلہ زا کہوں

نالہ کب باعثِ دردِ سرِ احباب نہیں | کونسا وقت اثر کا ہی کہ نایاب نہیں
ہم سا لب بستہ کوئی خاک ہوا ہی شاید | کہ میری چشم تک اس دشت میں آب نہیں
دل جلے گا تو عدو کو بھی جلا دیگا کہاں | تپشِ نالہ ہی بیتابیِ سیماب نہیں
اب بھی اس شوخیِ پیہم سے اٹھا لیجے ہاتھ | کہ میرے ہاتھ میں کیسے دلِ بیتاب نہیں
شکوہ ہجر میں ہوتی ہی شبِ وصل تمام | بخت بیدار ہوئے تو بھی مجھے خواب نہیں
اشکِ خوں دیکھ کے دامن پہ مرے کیوں ہی عتاب | آستیں پر میری کیا داغِ مئے ناب نہیں

اصغر اس سینہ فگاری پہ شبِ عیدِ یار
یوں پڑے پھرتے ہو گویا شبِ مہتاب نہیں

وہم سے ہر عنصرِ کمال ہی نہیں | کیوں دیا عشقِ بے زوال نہیں

حسرتیں ہجر سے گراں تر تھیں
موت آئی شبِ وصال ہمیں

طعنۂ آہ بے اثر کب تک
سانس لینا ہوا محال ہمیں

یار سے صلح ہو تو تجھ سے نہیں
ای فلک کچھ سرِ جدال ہمیں

ساقیا ہم گریں پہ می نہ گرے
تھام ساغر کو مست سنبھال ہمیں

دولتِ وصل کی طلب سے حصول
داغ دیتا ہی بے سوال ہمیں

نعش پر اپنی وہ پیادہ آئے
جاں نثاری ہوئی وبال ہمیں

پاس سے تیری آمد آمد پر
تھا قیامت کا احتمال ہمیں

اُن کو ہرچند اپنا دھیان نہیں
تو بھی کیا کیا نہیں خیال ہمیں

اِن رقیبوں کے ملنے سے حاصل
ہو چکا سب میں انفعال ہمیں

بیخودی میں گذر گئی شبِ وصل
می ہوئی باعثِ وبال ہمیں

خاک کرتے وفا کہ تھا ظالم
ابتدا سے غمِ مآل ہمیں

لوٹنا حسبِ مدعاے رقیب
صورت قرعہ ہاے فال ہمیں

سامنے اُس کے خوں رُلائے گی
اصغر اپنی زبانِ لال ہمیں

بس کہ شعروں میں نہاں غیر از بیانِ غم نہیں
اپنی ہر اک بیت کچھ بیت الحزن سے کم نہیں

لاغری سے زیست میں غائب ہیں چشمِ خلق سے
ہی ہمارے پیرہن میں جاں ہماری ہم نہیں

تیرے کہنے سے میں کہاؤں کیونکہ دیوانہ ہو
اُس کے ملنے کی قسم ہی چارہ فرما ہم نہیں

بار کیونکر ہو کہ ہی اہلِ ہوس کا خون حلال
بعد قتلِ غیر دیکھو اُس کی گردن خم نہیں

دیر گزری مر گئے کو اور نہ آیا وہ یہاں
بدگماں سمجھا ہی دم اور مجھ میں باقی دم نہیں

اُس کے چہرے پہ پسینا دیکھ کر گلگشت میں — چہرۂ گل غرقِ آبِ شرم ہے شبنم نہیں

رشکِ دشمن کا ہیں گو سہتے مگر مجبور ہیں — بزمِ عالم میں کسی پر اس قدر عالم نہیں

ہاں نہیں اے دوست جو سینہ میں ہو باقی نہ چھوڑ — بعدِ مرگ اُس کی گلی کے چھٹنے کا ماتم نہیں

آرہی ہے ضد سے مرگِ مدعی پر اپنی زیست — ورنہ کچھ وہ اور ہے اے بے وفا تو اہم نہیں

ہیں کہ پنہاں اس میں اک پردہ نشیں کا شوق ہے — ہے جو محرم وہ بھی اپنے درد سے محرم نہیں

محتسب کی آمد اصغر ہے غلط یہاں کام کیا
مے ہے اور میخانہ ہے کعبہ نہیں زمزم نہیں

سببِ سوز ہو کیا چشمِ فسوں ساز ہمیں — کہ ہوا درد فغاں سرمۂ آواز ہمیں

اپنی شوخی سے گلہ چاہیئے گستاخی کا — چین لینے نہیں دیتے ترے انداز ہمیں

نالہ زن کیا ہوں گرفتارِ قفس زار ہیں ہم — نہ غمِ قید نہ اندیشۂ پرواز ہمیں

کیجئے چشمکِ اغیار کا کیا کیا شکوہ — بات کرنے دے اگر غمزۂ غماز ہمیں

عرش کو آہ سے ہے ہم شگاف اندازی — نہ جلا اے فلکِ تفرقہ انداز ہمیں

آپ آئیں تو خفا ہو کے عدو اُٹھ جائے — محفلِ یار میں کافی ہے یہ اعزاز ہمیں

جان گو لب تلک آ ہی پہ مزا بھی آیا — کچھ نہ سکنے پہ گوارا ہیں ترے ناز ہمیں

نہیں دیوار سے تا بام گذر ہو معلوم — کب کیا پہنچی طالع نے سرافراز ہمیں

ستم و ولولۂ حوصلۂ پرواز نہ پوچھ — نہ رہا حوصلہ و ولولۂ پرواز ہمیں

اُس لب و چشم کا کیا کیجئے بیاں اے اصغر
دعویِ سحر بیانی نہ کچھ اعجاز نہیں

عہد ترکِ شراب کرتا ہوں
دل کو اُس بن کباب کرتا ہوں

بخت دشمن کی ہائے بیداری
کب سے تنہا میں خواب کرتا ہوں

کیوں بگڑتے ہو تم عبث میں تو
پرسشِ اجتناب کرتا ہوں

سرنگوں کیوں نہ ہوں تری زلفیں
میں بھی دل سے حجاب کرتا ہوں

محتسب پی کے مے ہوا بدمست
آج میں اجتناب کرتا ہوں

یہاں میں جان ہے تو فکرِ وصل
دلِ پُر اضطراب کرتا ہوں

تم مرے داغِ دل شمار کرو
میں ستم کا حساب کرتا ہوں

دیر آنے میں کس لیے ظالم
کام اپنا شتاب کرتا ہوں

خود تو برباد ہو چکا دیکھوں
اب میں کس کو خراب کرتا ہوں

دور بھاگے ہے اور اے اصغر
جتنی یادِ شباب کرتا ہوں

آنکھیں ہماری فرش ہیں اب راہ یار میں
کیوں ہو صبا خراب تلاشِ غبار میں

وہ آئے اور نہیں ہے ثبات اضطرار میں
مرتا ہوں اُن کو تھاموں کہ دل کو کنار میں

گزرے گی کیا وصال میں یارب وہ نازنیں
اور خواہشیں بہت دل امیدوار میں

آج تک نہیں تو جان سے جاتا ہوں بے وفا
صدمے ہیں کشمکش کے ترے انتظار میں

اب کیجیے معاف کہ شوخی سے آپ کی
قابو میں دل ہے اور نہ ہم اختیار میں

ہے پہلے جام لینے کا ساقی سے مجھ کو حکم
شائد ملا ہے زہر مے خوش گوار میں

گردش نے کس کی چشم کی بے ہوش کر دیا
بے بادہ کس لیے ہوں میں ہر شب خمار میں

بھیجا نہ ہو رقیب نے آئی تھی بے وفا
بو عطرِ فتنہ کی ترے پھولوں کے ہار میں

مے نوشئ فراق سے وہ بدگماں ہوئے ۔ ٹپکا لہو دہن سے جو دل کے فشار ہیں

اصغرؔ سے ہم سخن ہو نہیں گو دہن صنم
رخنہ نہ ڈال صنعتِ پروردگار ہیں

گھر ہی جلتا ہے دل کباب کہاں ۔ محتسب غم کہاں شراب کہاں
پیروِ دردِ دل ہیں اب دیکھیں ۔ ٹھیریں ہم خانماں خراب کہاں
میرے خط کا جواب تو دیکھو ۔ آہ اُس شوق کا جواب کہاں
نامہ بر بات کیوں بنا لایا ۔ جو وہ دیتے یہ وہ جواب کہاں
جب کہا جو رہے حساب نہ ہو ۔ بولے دکھلاو ہے حساب کہاں
روز محشر بھی پر بلا ہے لیک ۔ شبِ ہجراں کے سے عذاب کہاں
توسنِ عمر کنار رو اور یہاں ۔ تازیانہ کہاں رکاب کہاں
یاد ایام وصل یار افسوس ۔ اب زمانے کو انقلاب کہاں
وہ جو اُلٹے نقاب ہو یہ غلط ۔ دیکھو مہ شب کو آفتاب کہاں
تجھے تو کیا کیا خیال پر اُسے دیکھ ۔ کھل گئی آنکھ اب وہ خواب کہاں

عشق و پیری یہ نا سزا اصغرؔ
طبع گو ہے جوان شباب کہاں

دل کسی کا بھی پائمال نہیں ۔ تجھ سی کبک دری کی چال نہیں
وہاں ملا پہلے ہی جواب صاف ۔ یہاں سے حالانکہ کچھ سوال نہیں

وہاں دشمن کا آپ کو ہی ڈر
دوستی کا نہ مجھے خیال نہیں

زلف میں سے پڑا ہی دل کا عکس
تیرے رخسارہ پر یہ خال نہیں

دل لگا کر یہ آ بنی کہ نہ پوچھ
ہم تو نہ سمجھے سکتے کچھ محال نہیں

دیجیے گا سمجھ کے ای اصغر
دل ہی کچھ جان کا وبال نہیں

اُن کی عدو کے گھر نہ کریں جستجو کریں
ای شوق لے صلاح دے ہم کو جو تو کریں

حسرت میں ہی کہ حسرت دنیا نہیں مجھے
ارماں فلک کے نکلیں جو ہم آرزو کریں

جس کی مژہ کے زخم ہیں وہ بھی تو دیکھ لے
یوں کس طرح سے چاک جگر کو رفو کریں

ہم نے تو اُس کے عشق میں دل کر رکھا ہی سنگ
کاش آئنہ ہی کہہ کے وہ لب رو برو کریں

ظالم مبادا کوئی تجھے بے وفا کہے
مت کہہ کہ دفن لاش کو اُس کی عدو کریں

پیرِ مغاں کا سجدۂ شکر یہ اب ہی فرض
پانی نہیں شراب تو ہی بس وضو کریں

دل نذر کاوشِ مژہ یار ہو چکا
دس بیس زخم ہو ویں تو بیٹھے رفو کریں

مشک و گلاب غش کے لیے لائے ہیں عبث
تدبیر اُس کے لانے کی کچھ چارہ جو کریں

مت پوچھ روز ہجر کٹا کس طرح یہاں
جوں شمع ایک رات میں کیا ماہ رو کریں

صبر و شکیب تاب و تواں سب رہے نہ آہ
دل ہی فقط گیا ہو تو ہم جستجو کریں

اصغر کی یہ دعا ہی کہ بدر ہیں پہ ای خدا
جبتک جییں نظارۂ روئے نکو کریں

ظالم ہی دود آہ نہیں گرد راہ میں
ہر ذرہ بس کہ دل ہی تری جلوہ گاہ میں

ابتک زبان تیری تھی خاموش مرتے دم
فرہاد کیوں کہا کہ یہ لذت ہی چاہ میں

جا پہنچے بارے چرخ تلک شعلہ ہائے دل
تارے تو ہیں کہاں مرے روزِ سیاہ میں

ہو جو مزاج چاہے سو باتیں بنائیں لوگ
کس کس سے کہیے یوں خلل آیا نباہ میں

پردہ ہی بیچ کوے صنم کا غم بہشت
صوفی کو وقتِ جوش قلق خانقاہ میں

طاقت نہیں ہی ضبط کی اب اور دل بجگہ
مدت چھدے رہے تونجے تیر آہ میں

لیلی کا سا دماغ کہاں تجھ کو ای پری
مجنوں رکھے تھا ورنہ مرے ڈھب نگاہ میں

کہہ دے وہ شوخ پہلے کہ سرمست پھرا مرا
ہر چند ہو سخن وہنِ داد خواہ میں

اصغر چلو حرم کو جو اُس بُت سے جنگ ہو
ڈھونڈیں گے اور غارتِ گر دیں کوئی راہ میں

رکھا ان بتوں سے ہم کو خدا تو پناہ میں
اعجاز لب میں بنا ہی جادو نگاہ میں

یوسف کا عہد رشک کی جاگہ ہی بے وفا
ابتو اثر دعا میں نہ تاثیر چاہ میں

وہ ناز وہ حیا وہ اشارہ وہ غمزہ آہ
باتیں وہ ہوش کاہ یہ مستی نگاہ میں

ملنے نہ ملنے کے تو ہو مختار تم مگر
اپنی طرف سے فرق نہ ہوگا نباہ میں

فرہاد کا قصاص بھی خسرو سے لے رقیب
شیریں تو مر نہ جاوے گی کچھ ایک آہ میں

ہر بار میری بادہ کشی پر ہی طعن کیوں
واعظ مگر ثواب ہی ذکرِ گناہ میں

گلرو نہیں ہی قرب جو تجھ سے تو کس لیے
بچھوا دیے ہیں خار رقیبوں سے راہ میں

میں اپنے بخت تیرہ سے شاکی ہوں بے وفا
دل کچھ خفا نہیں تری زلفِ سیاہ میں

کیا دیکھتے ہو طاقتِ نظارہ ہو کسے
اب تک بھی ہم وہی ہیں تمھاری نگاہ میں

ہر چند شرم بھی ہو تغافل بھی ناز بھی
تو بھی کمی نہیں نگہِ تا بگاہ میں

اصغر خراب بادۂ توحید کے لیے
ہی میکدہ میں کیا جو نہیں خانقاہ میں

دل تو دیا ہی جان بھی دیں کیوں بوسہ نہیں پیغام نہیں
تم تو پختہ ہوئے ہو پر ہم بھی اتنے خام نہیں

سانس ہی یا ہچکیاں ہی یہ ہیں دل میں کیا ہی دیکھو تو
خار سا کچھ تو کھٹکے ہی یوں جان کو جو آرام نہیں

صبح اصبح النعش پھرائی قتل ہوئے پر وحشت نے
آپ ہی ہم تشہیر ہوئے کچھ قاتل کو الزام نہیں

جوش قلق میں ہم اچھلے زمیں سے چرخ تلک سوٹے یار
پستی دیکھو طالع کی اب تک بھی گزر تا بام نہیں

نقد جاں نہ دوں کیوں پہلے زندہ ہی پہ مشکل ہی
جان پہ یوں کھیلا قاصد اس کا کچھ انعام نہیں

تیغ سے ابتک واقف کیا ہی کیونکہ تڑپے الیبی سے
جنگ میں یہ کہہ جاتے ہیں بس تجکو ہم سے کام نہیں

سادگی اتنی رحم کی جا ہی شام وعدہ اصغر یوں
کرتے ہیں سامان وصل کا گویا چرخ بد انجام نہیں

کیا مدارات کروں گر تجھے مہمان کروں
گھر کہ آباد ہی اب تک اُسے ویران کروں

چاک کرنے سے جو کھلے ہاتھ بھی اے چارہ گرو
لا دو دامن مجھے اُس کا میں گریباں کروں

نہ جھکے معرکۂ عشق میں گردن جی جاے
تیغ قاتل ہو تو سر بیچ کے احسان کروں

خوف سے غل ہو محلے میں کہ طوفان آیا
میں ہنسی میں بھی اگر گریہ کا سامان کروں

آرزو میری نکلنے دے فلک کیا ممکن
جی میں ہی کام دل غیر کا ارمان کروں

سخت مفلس ہوں کوئی ظرف وضو دو للہ
اہل مسجد کہ یہاں بادہ کی دکان کروں

خوف کی جا ہی کے اصغر کا رُلانا ہنس کر
ہوں پشیمان جو پشیمان کو پشیمان کروں

ولہ

ناحق بگاڑنے کو ضرورت سبب نہیں
کہتے ہیں تم کو پہلی سی الفت بس اب نہیں

ناکامئ امید پہ کیونکر قرار آسے
کہتے ہو بات بات پہ تم جب تب نہیں

مہر و وفا سے کیا ہمیں لذت سے کام تھا
شادی ہی کی جگہ ہے کہ رنج و تعب نہیں

پابند وضع یار نہ گستاخ وضع عشق
وہ بوالہوس نواز ہے ہم بے ادب نہیں

باتیں خوشی کی ہوتی ہیں ساری خوشی کے ساتھ
اس بن شراب کی مجھے ہمدم طلب نہیں

عاشق کا تیرے غیر ہے احوال دم بدم
شب تھا سو دن نہیں ہے جو دن تھا سو شب نہیں

رونا ہے اس کے آگے سوا لاکھ عیش سے
مطرب کرے وہ راگ یں تو اس بن طرب نہیں

اصغر کسی طرح سے تو قاتل تلک تو جا
آجائے رحم حال پہ تیرے عجب نہیں

ایک عیار ہوں میں جان نہ دوں
لاکھ لیوے لوں امتحان نہ دوں

خوں بہا لو قصاص لو تم لیک
غیر کو قتل سے امان نہ دوں

بیکسی وہ رفیق ہے کہ اگر
ملیں بدلے میں دو جہان نہ دوں

اس کے کوچہ کی خاک سے ترجیح
ہو جو رضواں کا گلستان نہ دوں

گالیاں دیں بقدر خواہش دل
کیوں دعا تجھ کو مہربان نہ دوں

یار اپنی زباں سے مانگے تو
حیف اصغر اگر میں جان نہ دوں

ولہ

باوفا عشق بے وفا ہی حسن
ایک ہیں دونوں پر جدا ہی حسن

دیکھ عکس اُس کا آئینہ میں کھلا
سنگ ہی دل پر عشق کا ہی حسن

سبزۂ خط کی یہ بہار ای گل
گویا تجھ پہ مبتلا ہی حسن

آئینہ میں نہ دیکھ اپنی شکل
دل ربا دیکھ دل ربا ہی حسن

مہر سے ذرّہ تک ہی نور اُس کا
عرش سے فرش تک بھرا ہی حسن

یار نے دل سے جو کہا مت پوچھ
عشق بھی ہی ولے بلا ہی حسن

خندہ دریا ہی اور تبسم موج
میری کشتی کا ناخدا ہی حسن

کیوں نہ دوں جاں بہاے یک جلوہ
کہ بہت اُس کا جاں فزا ہی حسن

لاکھ اصغر ہیں آپ حسن پرست
پر جو کھل جاے عشق کیا ہی حسن

تاب نہیں فراق کی نالہ نہ لب پر آے کیوں
مجھ میں بھرا ہی درد و غم سینہ میں دم سماے کیوں

جھوٹ تھا عہد بے وفا کیوں نہ کہوں میں برملا
جب نہ رہا وہ راز و ناز بات کوئی چھپاے کیوں

میں نے کہا تو دل میں ہی کہنے لگا غلط نہ کہہ
ہم تیرے دل میں ہوں اگر کین رقیب آے کیوں

وعدہ کی شب تو ہو چکی اب تو یہ پوچھ ای ندیم
نعش پہ بھی نہ آئیں تو جان بچے کوئی جاے کیوں

تم نے کہا ہی غیر سے حال مرا وگر نہ یوں
نار کرے اپنی چاہ کے ہو گئے جاے جلے کیوں

فکر زمانہ رنج و یاس آتش شوق و داغ ہجر
چار طرف کے یوں الم چپکے کوئی اُٹھاے کیوں

شکوہ ہی اپنے بخت کا تو نہ خفا ہو دل ربا
دل کہ رہا نہ کام کا جان کو بھی ستاے کیوں

شل ہوے ہاتھ اُٹھے آہیں سے گنگ ہو زباں | میری دعا کو اب اثر شرم سے منہ دکھاے کیوں

اصغرِ خستہ حال تو غم ہی کی شکل بن گیا
سوچ تو بزمِ عیش ہو وہ تجھے اب بلاے کیوں

کس دم نثارِ جان سے تجھ پر نہیں ہوں میں | سچ ہو کہ بوالہوس کے برابر نہیں ہوں میں

اُس ہمت بلند پہ ہی ننگ ہی کی جا | کیا ہوں میں گو سپہر سے کمتر نہیں ہوں میں

مت پوچھ دل سے اُٹھتے ہیں کس واسطے دھوئیں | ای شعلہ رو کہ آتش و اخگر نہیں ہوں میں

تجھ کو ہی کچھ خبر بھی کہ تیرے فراق میں | ای بے وفا قرار سے دم بھر نہیں ہوں میں

گر میرے خون کے بھی پیاسے ہوں پہ صنم | للہ ہو سبیل کہ کافر نہیں ہوں میں

بیزار جان سے ہوں چلوں اُس کے سامنے | سنتا ہوں کہتے ہیں وہ ستمگر نہیں ہوں میں

مجھ تفتہ جان کو بزم سے ناحق اُٹھاتے ہو | ہرگہ ٹکے کی شمع سے کمتر نہیں ہوں میں

دُکھیں نہ ہاتھ ذبح میں جلدی نہ کیجیے | آخر تپاں تو کچھ تہِ خنجر نہیں ہوں میں

دل نے بھی سیکھ لی ہیں تمھاری سی شوخیاں | وہ کون سی گھڑی ہو کہ مضطر نہیں ہوں میں

کیا کیا ہوا ہی وجد جب آیا ہی یہ خیال | ہو مجھ میں کون میری جگہ گر نہیں ہوں میں

دھوکے میں نام کے یہ جفائیں نہ کیجیے
تم جس کو پوچھتے ہو وہ اصغر نہیں ہوں میں

غش سے اک لحظہ بس نجات نہیں | موت سے کم مری حیات نہیں
یوں تو نا مہرباں نہیں ہو تم | پر وہ پہلا سا التفات نہیں

بے وفا تیرے عہد کی مانند
اب مرے صبر میں ثبات نہیں

اشک سے تیرے تشنہ کاموں کے
کس گلی کوچہ میں فرات نہیں

میں ہی ملتا ہوں بے حیائی سے
پوچھتا وہ تو میری بات نہیں

نہیں کس دل میں وہ صنم ای شوخ
کونسا کعبہ سومنات نہیں

غمِ دُنیا کو کارِ دل سونپیں
ہم کہ تابِ تفکرات نہیں

نکردہ اور یہ صرفِ زر اصغر
روپیہ حج نہیں زکوٰت نہیں

دوزخ کے کام کرتے ہیں سعی بہشت میں
اُلٹی قلم چلی ہے نہ بس سرنوشت میں

دیوانہ کونسا تری کو میں ہوا ہے خاک
وحشت بھری ہوئی ہے ہر اک سنگ و خشت میں

ہو گلشنِ خلیل گلِ داغ سے خجل
شعلے سے بارور ہیں شجر میری کشت میں

ہوں محوِ ناز کیونکہ نہ کھینچیں جفا سے ہاتھ
ای دل وفا نہیں ہے بتوں کی سرشت میں

کیا ہوتی سجدۂ درِ بت کی دعا قبول
سرآستانِ کعبہ پہ تھا دل کنشت میں

رکھو معاف شعر میں بھی نیک و بد ہو گر
اصغر مجھے تمیز نہیں خوب و زشت میں

کچھ دوں جواب لکھنے کی طاقت اگر نہ ہو
قاصد نہ بھیجے گا اگر معتبر نہ ہو

نے شوق نے اثر نہ کہیں جذبِ شوق میں
تم کو بری ہے جو نزاکت کا ڈر نہ ہو

غفلت ہے جاں ستاں تو ندامت ہے جاں فزا
ای کاش تیرے مرنے کی اُس کو خبر نہ ہو

وہ دن گئے کہ لڑتی تھی سو ظالموں سے آنکھ
حسرت سے اب نگاہ کبھی چرخ پر نہ ہو

بس ای خروش آہ کہ طاقت نہیں رہی
دل پاش پاش ہو کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو

گرمی کی میری گریۂ سوزاں سے خو ہوئی
دوزخ سے اب تلافی دامان تر نہ ہو

خانہ خراب شوق پھر اس کو ہیں لے چلا
گھر کی نہیں ہے خیر وہ گر اپنے گھر نہ ہو

مرنا مرا علاج ہے ناصح سمجھ تو لے
کیوں دشمنی کرے وہ محبت اگر نہ ہو

آجاؤ خط سے پہلے کہ تم پر فدا کروں
وہ نقد جان جو اجرت صد نامہ بر نہ ہو

ہر جای پن سے اس کے لیے سجدے جا بجا
ایسا ذلیل کوی خدا در بدر نہ ہو

اصغر سے قطع کیجیے نہ دشنام غیر پر
مجبور تر نہ ہو کہیں معذور تر نہ ہو

یوں کبھی بے وفا نباہ نہ ہو
گہہ ستم بھی ہو گاہ گاہ نہ ہو

کوی ہوتی ہے خاطر آسودہ
جب تلک آسماں تباہ نہ ہو

بس ہے اتنی نگاہ لطف کہ اب
غیر پر لطف کی نگاہ نہ ہو

طعن فریاد روز داد ہے آہ
کب تلک کوی داد خواہ نہ ہو

محتسب یہاں سمجھ کے آنا دیکھ
میکدہ ہے یہ خانقاہ نہ ہو

مہروش ہے رقیب کے گھر میں
دن مرا کس طرح سیاہ نہ ہو

میرے رونے پہ مت ہنسو دیکھو
میرا نالہ عدو کی آہ نہ ہو

یا الٰہی نہ ہو شب مہتاب
بر میں جب تک وہ رشک ماہ نہ ہو

اُن سا نازک عدو کے گھر جائے
تم کو اصغر یہ اشتباہ نہ ہو

ولہ

وہ دن کہاں کہ پھر وہی راز و نیاز ہو
ابرام دل فزا و ستم جاں نواز ہو

ہو کیا ہی شیخ کو بھی مے و حور کا خیال
آخر ملک نہیں کہ ہوس ہو نہ آز ہو

پھر صبر کر لیا ہی فراہم امید نے
اچھا تو ہی جو اُن کو سر ترک و تاز ہو

وہ بھی حریف عشوۂ پی ہم نہ ہو سکے
سچ ہی اُٹھا سکے کوئی گر ایک ناز ہو

کچھ بھی مرے قدح میں بجز خون دل نہیں
ہم وہ شراب پیتے ہیں جو خانہ ساز ہو

اب آئے روز وصل کہ جائے شب فراق
یہاں ہوش ہی نہیں ہیں جو کچھ امتیاز ہو

زلف دراز پہنچ گئی ایڑیوں تلک
شاید کہ پائمال کوئی سرفراز ہو

وہ وہ دعائیں رشک میں کی ہیں کہ ای خدا
توبہ ہی گر قبول کا دروازہ باز ہو

اُن سے جفا پسند کو بھی آگیا پسند
اصغر وفا ہی دل پہ نہ کیوں ہم کو ناز ہو

تم گالیاں دیا کرو ذلت ہی کیوں نہ ہو
سنتا ہوں کب کسی کی نصیحت ہی کیوں نہ ہو

کون آہ میری داد کو پہنچے شب فراق
ہی پائمال ناز قیامت ہی کیوں نہ ہو

ان ناتوانیوں پہ ہی مشکل عناں کشی
تاثیر بے قراری وحشت ہی کیوں نہ ہو

جو میں کہوں سو جھوٹ ہی جو تم کہو سو سچ
کین رقیب و لاف محبت ہی کیوں نہ ہو

اپنے سے ہی عداوت عاشق بھی دشمنی
بیداد چھوڑ دیجیے عادت ہی کیوں نہ ہو

اتنی ہی بیکسی کہ سمجھتا ہوں مغتنم
ہنگامۂ بلا و مصیبت ہی کیوں نہ ہو

شکر وفائے غیر پہ لڑنا ضرور تھا
میری طرح اُسے بھی شکایت ہی کیوں نہ ہو

اصغر امید حشر پہ کیونکر جئیں بھلا
مجھ سے پرے ہیں سب مری قسمت ہی گر نہ ہو

شریک بزم بت بے سبب عتاب نہ ہو
صفائے رُخ سے نظر رُخ سے کامیاب نہ ہو
نہیں کے ساتھ نہیں جان کچھ تو دے ساقی
مری خرابی کو اے مدعی خراب نہ ہو
نہ ہو حجاب تو کیونکر مجھے حجاب نہ ہو
پلا دے زہر ہی مجھ کو اگر شراب نہ ہو
فراق میں پی سکیں نہ بے قرار ہو دل
کہاں سے لاؤں میں وہ شے جو دستیاب نہ ہو
خدا کے سامنے کرنی ہے کچھ شکایت غیر
مزا ہے وہ بت کافر دم حساب نہ ہو
وہ اے دل آئے تو مضطر ہولے رقیب کے ساتھ
رہین منت دعوات مستجاب نہ ہو
رقیب بے پس مدت پھری ہے چشم حبیب
الہی اب سے زمانہ کو انقلاب نہ ہو
میں بزم یار میں جلتا ہوں رشک سے ورنہ
کبھی بہشت میں دوزخ کا سا عذاب نہ ہو
چھپے ہے پردہ سے اے مہروش کوئی بے حسن
ضیائے مہر کو جرم فلک حجاب نہ ہو
نہ چھوڑی ضعف نے طاقت بھی آنکھ اُٹھانے کی
تمہارے رُخ پہ نہیں ہے اگر نقاب نہ ہو

کہیں ہیں شیفتہ یوں اب میں کیا کہوں اصغر
یہ وہ غزل ہے کہ جس کا کہیں جواب نہ ہو

پھر کبھی منہ نہ غیر کا دیکھو
گر ہماری طرف ذرا دیکھو
خط رقیبوں کو کیوں دکھاتے ہو
میرے نامہ کا مدعا دیکھو
ناتوانی سے شوق کو کیا کام
مجھ سے دامن بھلا چھڑا دیکھو
غیر سچا ہے امتحاں میں ہے
پر ہمیں بھی تو آزما دیکھو

دیکھنا سر اٹھا ئیں گے ہم بھی
نہیں آنکھیں لڑانے کی طاقت
کیا مرے خاک ہونے پر چشمک
شک ہو گر اب بھی دل کے لینے میں

پاس تم غیر کو بٹھا دیکھو
اب ادھر تم نہ دیکھو یا دیکھو
گردش چشم سرمہ سا دیکھو
اپنی زلفوں کو تم ہلا دیکھو

دل دیا بت کو دیکھ کر اصغر
جو دکھائے تمھیں خدا دیکھو

دھیان میں لا زلف سیہ فام کو
محفل دشمن میں ہو وہ شعلہ رو
مجھ پہ وہ ہنستے ہیں یہ روتا نہیں
گرمی بیجا سے تری ہوں کباب
رشک سے کیوں خاک ہوں میں وہ
جان گئی عشق کے آغاز میں

کرتے ہیں رو رو کے سحر شام کو
آگ سے لگے گردش ایام کو
غیر کی غیرت نہ رہی نام کو
کیا کہوں اپنی طمع خام کو
لب سے لگاتے ہیں مے جام کو
دیکھیں کہ کیا جاسے گا انجام کو

وصل عدو سچ نہیں اصغر کہ یہ
تاب کہاں اس سمن اندام کو

ہم کو تو تم سے صلح ہو تم کو مصاف ہو
ہاں چشم لاوہ گریہ جو کہتی پھرے زمیں
کس واسطے رقیب سے ہو نامہ و پیام

کیونکر بنے جو رائے میں یہ اختلاف ہو
ہاں دل کر ایسی آہ کہ گردوں شگاف ہو
گر ہم سے صاف ہو تو جواب اس کا صاف ہو

افطار ہو جو مے سے تو ہو صوم کا مزا
معشوق ساتھ ہوئے تو کیا اعتکاف ہو

گر دل میں خون کم ہو تو یارب فزوں ہو غم
آخر مرے لیے کوئی وجہ کفاف ہو

طوف حرم کی خوبی میں کیا شبہ برہمن
یارب نصیب یار کے گھر کا طواف ہو

لطف کلام ہی سہی بوسہ نہ دو نہ دو
یہ بھی مزا ہو کہتے اگر لام کاف ہو

یہ چھیڑ دیکھ مجھ کو لڑا کر کہے وہ شوخ
جانے دو اب قصور ہمارا معاف ہو

روز وفائے وعدہ خفا کیوں ہوئے کہ ہم
پہلے ہی جانتے ہیں کہ وعدہ خلاف ہو

اصغر کو راستا دن ہو کسی کی کمر سے کام
کیوں کر نہ فن شعر میں وہ موشگاف ہو

تیری جبیں سی جب مہ نو کی جبیں نہ ہو
کس طرح پھر سپہر کو رشک زمیں نہ ہو

ناصح یہ ہم ہیں تم میں جو ہے شغل پھر کہاں
یہ کیا دعا ہو دہر میں کوئی حسیں نہ ہو

یہاں تم سے بدگماں ہیں زیادہ کہ غیر سے
الفت ہمیں یقیں ہو پہ تم کو یقیں نہ ہو

ممکن ہو اس کو دیکھ سکے مجھ کو نہ پیار آئے
کب ہو سکے وہ دیکھنے مجھے خشمگیں نہ ہو

تیرے مریض غم کی یہ حالت ہوئی کہ اب
ہر دم یہ ہے گمان کہ دم واپسیں نہ ہو

ہجراں میں یہ دعا ہو کہ یارب کہیں مرا
ہووے وصال وصل میسر نہیں نہ ہو

چین جبیں سے یہاں تلک آیا ہو تنگ دل
جی چاہتا ہو زلف میں بھی تیری چین نہ ہو

گرمی عدو سے بڑھتی ہو ہر روز کیا تلک
بتخالہ زیر لب نفس آتشیں نہ ہو

کہتے ہیں ایک شخص کو زنداں میں لے گئے
یارب اسیر سلسلۂ عنبریں نہ ہو

اس کو میں آج قتل ہوا اک جوان ہائے
افسوس ہو ہمیں کہ وہ **اصغر** کہیں نہ ہو

نہ چھوڑونگا گو کج ادائی کرو
وفا چھوڑ دو بے وفائی کرو

اُٹھو طرّۂ مشکبو بند ہو چکا
چلو میری عقدہ کشائی کرو

پڑا بندگی میں ہی در پر جہاں
تو گھر میں بیٹھو خدائی کرو

دم سرد آہ کرم آفریں
پھر اک بار زور آزمائی کرو

رکھو سابقہ کچھ نہ کچھ ہم سے بھی
بھلائی نہیں اب برائی کرو

مکدر نہ ہو خاک اُڑائیں نہ کیوں
رقیبوں سے جب تم صفائی کرو

مے و ساغر و یار و ساقی ہی ، جلد
بس اے مطرب خوش نوائی کرو

دم آنکھوں میں ہی ہم نہ کہتے تھے کیوں
کہ اصغر نہ تم آشنائی کرو

پند گو دست ہی قیل و قال کو
تو بھلا کیا جانے میرے حال کو

جوش پر ہی گریہ لا اے چارہ گر
دامن دریا میرے رومال کو

بے ادب ہیں بے قرینے ہیں رقیب
منہ لگاتے ہیں تیری مہنال کو

حسرتوں سے ہو گیا دل پائمال
دیکھ کر اس بے وفا کی چال کو

زہر کھائیں رشک سے ہم سر بخت
سبزۂ خط چومتا ہی گال کو

دل گیا ہی عشق کی آمد ہی ، جلد
تو بھی جا اے جان استقبال کو

آہ نکلی آیۂ ہذا فراق
ہم نے جب قرآن کھولا فال کو

ہی شب وصل آج میرے در دور
پھینک دو گھڑیالیو گھڑیال کو

دوستی کا حق ادا ہوتا ہی کب
کھو نہ اصغر مفت جان و مال کو

غیر سے ہم سخن سنوں تجھ کو
بے وفا آہ کیا کہوں تجھ کو

ڈر ہی تجھ سے تجھے نہ ایذا دے
دے چکا دل وے نہ دوں تجھ کو

اسی حسرت میں مند گئیں آنکھیں
کہ نظر بھر کے دیکھ لوں تجھ کو

اتنی کہیو زبانی اے قاصد
نہیں طاقت کہ خط لکھوں تجھ کو

ہم سیہ بخت خاک میں جو ملے
کیا ملا چرخ نیلگوں تجھ کو

مر گیا غیر میری حالت دیکھ
مرحبا طالع زبوں تجھ کو

نہ گئی یار کی سیہ چشمی
آگ لگ جائے شگون تجھ کو

ہیں پس مرگ حسرتیں کیا کیا
دیکھ لاشے ہیں سرنگوں تجھ کو

گھر میں بھی ہے ہجوم تنہائی
آہ کس جا بلا سکوں تجھ کو

اُس پری سے وصال کا ہے خیال
کہیں اصغر نہ ہو جنوں تجھ کو

حسن کی عشق سوا گرمیِ بازار نہ ہو
زلف کیا مول لے دل کو کہ خریدار نہ ہو

دل بچھائیں گے تری رہ میں کہ فرش آئنہ کا
مثل بلقیس کہیں تجھ کو سزاوار نہ ہو

شکر کیونکر نہ کروں محو جفا ہوں ناصح
ہاں گلہ ہووے جو وہ بے سبب آزار نہ ہو

گھر تو برباد ہے مدت سے و لیکن تجھ بن
سر کو ٹکراتے ہیں کیونکر در و دیوار نہ ہو

ہوں میں وہ صید کہ گر چھوڑ دے صیاد مجھے
ہے یقیں دم میں پھر کوئی گرفتار نہ ہو

آگے اُس بُت کے اگر جلوہ کو دیکھوں واعظ
آنکھیں پھوٹیں مجھے اللہ کا دیدار نہ ہو

ہے بہت غیر سبک وضع یہ کیا باعث ہے
کہ تری خاطرِ نازک پہ ذرا بار نہ ہو

بے ریا کفر سے توبہ کرے اصغر تو یہ
سبحہ کے پردے میں کیا ذکر کہ زنار نہ ہو

یوں میرا وفا سے جی برا ہو — اے اُس کی جفا ترا بھلا ہو
تو مجھکو ملے، ملے عدو کو — کونین میں جو ترے سوا ہو
شکوے میں نباہ کے کہا آہ — جی میں جو نہ ہو تو کیوں نباہو
اے دشمن جاں تجھے مبارک — دل جبکہ نہ میرے کام کا ہو
کیا قہر ہے عشق کی غیوری — میں دل سے ملا نہ پھر جدا ہو
دل میں پھرتا ہے چارہ گر یار — یہ داغ کہیں نہ نقش پا ہو
آزاد ہی دو جہاں میں ہوں قید — اے عشق یہ بند بھی رہا ہو
آئینہ کا دیکھنا دکھا دوں — قابو میں مرے جو دل ذرا ہو
ہم کو تو یہ دشمنی بہت ہے — تم چاہو کسی کو یا نہ چاہو
کیا اُس کو بلاوں خواب میں آہ — ڈر ہے دشمن نہ جاگتا ہو

بندہ ہے وہ اے بتو تمہارا
اصغر سے کس لیے خفا ہو

سو بار گرچہ صبح زمانے کی شام ہو — بن اُس کے آئے کب شب ہجراں تمام ہو
آنکھیں ہیں لال نیند سے طوفان مت اُٹھا — تجھ بن شراب پی ہو تو مجھ پر حرام ہو
وہ کیا کہ فرط شوق سے میں بھی نہنگ ہوں — گھبرائے کیوں نہ جی جو بہت اژدہام ہو
اُس بت کے آنے کی ہے خبر میری نعش پر — تا حشر کیا نماز ہو کیا اذن عام ہو
بوسے سے ہے سوا تری دشنام کا مزا — مجرم نہ کیوں ہو کوئی جو یہ انتقام ہو
دل گرمی رقیب چھپاتے ہو کیا ہمیں — اے شعلہ رو جلے بھی اگر کوئی خام ہو
ناکامی امید یہ کب تک جیے کوئی — اے آہ کام دل نہ ہو میرا ہی کام ہو

یوسف کو مول لیکے زلیخا ہی کنیز
ہم لوگ زر بھی دیں تو نہ صاحب غلام ہو

عنقا صفت نشاں نہ ملے پھر تو چاہیے
زیر فلک اگر کوئی جویاے نام ہو

اصغر دعا ہی آٹھ پہر چار چیز کی
ابر بہار و یار ہو و دور جام ہو

گر دیکھ لیں اُن سے مقتدی کو
سجدے میں ہو غش امام جی کو

جادو ہی نگاہ میں بتوں کی
اللہ بچائے آدمی کو

اے ماہ اگر ہو تو خریدار
بیچے ابھی چرخ مشتری کو

دعوی کرے تم سے ہمسری کا
ایسا تو جنوں نہیں پری کو

ہووے گا معاملہ بھی فیصل
سونپا انصاف آپ ہی کو

ایسے کا ہو کس طرح تصور
صورت نہ دکھائے جو کسی کو

دل مفت ہی لو ملے نہ دو داغ
ملتا نہیں لاکھ اشرفی کو

ہم سا مظلوم لا کے اے چرخ
پھر اُن کو دکھا برابری کو

تو شوق سے دشمنی کیے جا
حاضر ہوں ابھی میں دوستی کو

ہی صرف ذرا سا نقد جاں کا
کیا چاہیے اور عاشقی کو

تھا جذبۂ دل پہ بدظنی سی
بھیجا اُس تک نہ اجنبی کو

واعظ سے جو گزری شب نہ پوچھو
کہتا تھا گناہ مے کشی کو

آخر کو نہ رہ سکا میں اصغر
لازم ہی تمیز آدمی کو

دیکھنا اِس لذت آزار کو — پاؤں سے دل میں چبھو یا خار کو

اُس نے گو جیتا نہ چھوڑا ہم نے پر — اپنے جیتے جی نہ چھوڑا یار کو

یوں جلانا ہم کو کچھ اچھا نہ تھا — آگ لگیو آہ آتشبار کو

کھل گیا سب راز جب سے خامشی — ایک لب گویا ہوئی اظہار کو

زخم جاں مژدہ کہ دل کا پیکے خوں — لگ گیا لوہو لبِ سوفار کو

خاکساری ہی پسندِ ہر بلند — دیکھ غافل سایۂ دیوار کو

یاد ہی پینے میں اُس کی چشم مست — دھیان ہی میخوار کا میخوار کو

نغمہ ساز رگِ جاں نالہ ہی — رخنہ زن ہی ناخن غم تار کو

کی تسلی غیر کی پر خوش ہوں میں — دل دہی تو آ چلی دلدار کو

یاس و غم اندوہ و درد و آہ و سوز — یار پایا تو اِکفیں دو چار کو

مرحبا اصغر کہ دل کا کام ہی
کھینچنا اس ضعف میں آزار کو

عیشِ عید رفتہ کی برسی ہی ماتم کیوں نہ ہو — ہجر میں عید آ کے آئی ہی محرم کیوں نہ ہو

کب نہ بجھے آبِ لقا سے پیاس اپنی ای خضر — وے کہیں سے لا کے مئے آمیزش سم کیوں نہ ہو

لاشِ دشمن پر بھی اپنا تو جگر پھٹتا ہی آہ — ابتو دل سے دوست کا صدمہ ہی یوں غم کیوں نہ ہو

صبح شام وصل ہی ظالم نے مجھے ملزم نہ کر — جبکہ ایسی عیش کی حسرت ہو بہ غم کیوں نہ ہو

کیوں جلائے کوئی ہم کو شعلۂ دل ہی بہی — کیوں ڈبوئے کوئی ہم کو دیدۂ نم کیوں نہ ہو

ہی ہی آبِ انفعال جامِ چشمِ مست سے — تیرے آگے گردن مینائے مئے خم کیوں نہ ہو

خط نہ ہم لکھتے نہ کھلتا حالِ دل غیروں پر آہ — پر جو قسمت کا لکھا ہووے وہ ہم کیوں نہ ہو

تجھے گوارا دل کے خوش رکھنے کو غم کونین کے
اب مجھے یہ حسرتِ عیشِ دو عالم کیوں نہ ہو

دل میں نام اُس بت کا اصغر اور لب پہ یا خدا
کارگر کیا ہووے کافر اسمِ اعظم کیوں نہ ہو

ہر آن اپنی آن نہ اے رشکِ ماہ دیکھ
مت پوچھ بار بار کہ ہوتی ہے چاہ کیا
جاتا ہے ایک مضطرب آتا ہے دوسرا
آسان نہیں کہ کوئی نباہے مری طرح
وصلِ صنم تو ہو نہ سہی جور اے خدا
جلتا ہے جی کہ ابرِ کرم خشک ہو گیا
خس مجھ سے وحشتِ چشمِ پیدن نہ اُٹھ سکا

میری نگاہِ شوق کو بھی اک نگاہ دیکھ
تو آپ بے وفا ہے مجھے یکچند چاہ دیکھ
اے رشکِ ماہ و خور تجھے خورشید و ماہ دیکھ
باور اگر نہیں تو ذرا تو نباہ دیکھ
اپنے کرم کو دیکھ نہ میرے گناہ دیکھ
کچھ قصہ شعلہ ہائے فلک سوز آہ دیکھ
ہے جسم زیرِ کوہ تہِ برگِ کاہ دیکھ

شامِ شبِ فراق تو اصغر نہ جان دے
آنے کی اُس کے صبح تلک اور راہ دیکھ

غیروں پھرتے ہیں اس مہرلقا کے ہمراہ
دیکھ الفت کہ نہ چھوڑا مجھے اُس نے تنہا
ہے یقیں یہ کہ اُسے نعش پہ لائی تاثیر
تم نہ آئے پر اس اُمید پہ تکتے ہی رہے
واں گزرتی تھی اک آرام سے بے چین کیا

جس طرح بے اثری میری دعا کے ہمراہ
اپنے کوچے سے نکالا تو قضا کے ہمراہ
جان نکلے ہے مرے تن سے دعا کے ہمراہ
شام سے صبح تلک تم کو بلا کے ہمراہ
میری ہستی نے عدم سے مجھے لا کے ہمراہ

رنج ہوتا ہے ترے رنج سے کیا نالہ کروں
اثر آتا ہے فلک سے تو بلا کے ہمراہ

ہائے اس غیرتِ ناہید کی ٹھوکر دم رقص
جاں نکل جاتی ہے بس جنبشِ پا کے ہمراہ

ہے پسِ مرگ بھی اصغرؔ مجھے یہ غم کہ وہ کیوں
روتے جاتے ہیں ہمارے ورثا کے ہمراہ

کھو دیا عشق میں جان و دل و تن کیا سب کچھ
پھر وہ مل جائے تو ہم جانیں گے پایا سب کچھ

اختیار اپنی اجل پر تو نے دینا تھا
گر دیا تھا مرے دشمن کو خدایا سب کچھ

کھل گئی مجھ پہ ترے دل میں جو تھی الفتِ غیر
تھا جو پردہ میں وہ مجھ کو نظر آیا سب کچھ

مال و زر صبر و خرد تاب و تواں الفت میں
کھو دیا ہم نے خدا نے تو دیا تھا سب کچھ

کیا سمجھتے ہو جفا کو بھی تم اغیار کا حق
حق وفا کا مرے تم بھول گئے کیا سب کچھ

جو ہوا بوالہوسوں پر ستم جاناں سے
کاش میرے ہی مقدر میں وہ ہوتا سب کچھ

ہجر میں رنج و تعب وصل میں آرام و طرب
جو غرض عشق میں ہوتا ہے وہ دیکھا سب کچھ

میں اور اس سے نہ ملوں سر نہ پھرا اے ناصح
جو تو سمجھائے گا بس میں نے وہ سمجھا سب کچھ

بخش دیگا مرے عصیاں کو اسی کے تو ہیں کام
نیک و بد جس نے زمانہ میں بنایا سب کچھ

دل و دیں نذر صنم اصغرِ بے دیں افسوس
جو خدا کا تھا بتوں کا وہ تو سمجھا سب کچھ

کی جستجو بہت تو وہ دشمن کے گھر ملے
کھو آئے جاں گئے تھے کہ دل کی خبر ملے

کچھ اب کی جوش ناز ہے واں یاں ہجوم یاس
یوں تو وہ بیشتر لڑے ہم بیشتر ملے

ہو کچھ تو عمر روز جزا اور بھی دراز
اللہ کلم ہو داد مری جس قدر ملے

پوچھیں گے اپنے ہم دل گم گشتہ کا سراغ
صحرا نوردیوں میں کہیں گر خضر ملے

ہم اور شب وصال و صبوحی، مجھی کو شیخ
روز جزا ثواب دعائے سحر ملے

گر ہو امید وصل تو پوچھوں عدو سے وہ
کس بات پر خفا ہوئے کس بات پر ملے

دنیا و دیں تو کیا جو ترے دل میں جا کے ہو
دونوں جہاں سے جاوں ٹھکانا اگر ملے

یہ بھی کچھ امتحان ہے ظالم جہان میں
بیداد کا نشان نہ وفا کا اثر ملے

جوش خلش سے تنگی عالم کا چارہ کر
اے دل بلا سے خاک میں اپنا بھی گھر ملے

پھرنا تو اس گلی سے ہے مشکل پر اپنا حال
لکھنا جو نامہ بر کوئی آنا مہ بر ملے

تمکین حسن ہے کہ میں کچھ بھی نہ کر سکا
تقدیر بوالہوس کہ جو وہ آنکر ملے

ہے کیا وسیع کوچۂ جاناں کہ دل سے ہم
ایسے جدا ہوئے کہ نہ پھر عمر بھر ملے

اصغر کہاں جہاں میں خریدار دین و دل
کوئی اگر ملے بھی تو ہاں مفت بر ملے

جلا جی نامۂ آتش فشاں سے
کہ مجھ پر آگ برسی آسماں سے

ہوئے تم شوخی ہر دم سے مجبور
مجھے ہر بار صبر آئے کہاں سے

ہمارے خاک ہو جانے کا احوال
کبھی پوچھا تو ہوتا پاسباں سے

عدو کے گھر میں تم نے پاؤں رکھا
کہ میں نے ہاتھ اٹھایا خانماں سے

اثر کو بھی جلایا سوز دل نے
فلک پر خاک اڑتی ہے فغاں سے

نہ کی خود بیں شبازی اور شب وصل
گلہ ہے اس کے ناز جاں ستاں سے

پئے تشہیر آئے نعش پر وہ
میں سمجھا تھا کہ چھوٹا امتحاں سے

نہ دیکھا طول سے اس نے مرا خط — سبک سب میں ہوئے شوق گراں سے

عدو سے ہم سخن ہو وہ بیاں میں تم — کہے دیتی ہے خاموشی زباں سے

کہاں سن ہرزہ گردی کی تھکا بہت

ترا ہے کون اے اصغر جہاں سے

اسے ملیں گے وہ اگر یوں بھی قضا آتی ہے — خانۂ غیر سے رونے کی صدا آتی ہے

حسرت مرگ شب تفرقہ کیا آتی ہے — تن میں جاں آتی ہے جب جاں پہ بلا آتی ہے

کب سے بے جرم شہیدوں کا ہے مدفن ظالم — جب ترے کوچہ سے جنت کی ہوا آتی ہے

غم نہ کر کچھ نہیں تشویش کی جا اے ناصح — کہ فریب اس کو تو مجھ کو بھی دعا آتی ہے

سنگ صفت اہل ہوس کو نہ کہوں ہے کیونکر — پھر سکے اس کوچہ سے تاثیر دعا آتی ہے

حسرت پس روی تا قد نے پامال کیا — پاؤں چلتے نہیں اور بانگ درا آتی ہے

شاد ہوں بوالہوسوں سے نہ ملے گا دل یار — یہ محبت کی جو باتوں میں ذرا آتی ہے

منہ دکھایا دم آخر بھی نہ آکر اس نے — شرم آئی نہ یہ کہتے کہ حیا آتی ہے

نزع کے حال میں گزری ہے مری عمر افسوس — نہ تو رحم آتا ہے اس کو نہ جفا آتی ہے

تو شب ہجر سے واقف نہیں کیا اے واعظ — یہ بلا روز قیامت کے سوا آتی ہے

ہر سخن پر وہ بگڑتے پہ بگڑنے نہ دیا

اصغر آفت ہے غضب بات بنا آتی ہے

کیوں عدو سے پیام ہوتا ہے — کہ مرا یوں بھی کام ہوتا ہے

لاکھ یوسف کہوں اُسے لیکن ۔۔۔ کب وہ میرا غلام ہوتا ہی
کوچے جاناں سے جب میں جاتا ہوں ۔۔۔ ہر قدم پر مقام ہوتا ہی
محتسب گر دمیکدہ ہی خراب ۔۔۔ ابھی یہاں دور جام ہوتا ہی
پھر وہ چپ رہنے کے دن آتے ہیں ۔۔۔ ہر کسی سے کلام ہوتا ہی
آنکھیں تاروں کی نیچی ہوتی ہیں ۔۔۔ جب وہ بالائے بام ہوتا ہی
کرکے پامال پھر نہ آن پھرے ۔۔۔ یوں ہی ای خوش خرام ہوتا ہی
مے چھٹی خونِ دل پڑا پینا ۔۔۔ وہ بھی واعظ حرام ہوتا ہی
اب کوئی خاک جان پر کھیلے ۔۔۔ کہ وہاں قتلِ عام ہوتا ہی

ہی جو الفت کا کچھ اثر اصغر
وہ کوئی دن میں رام ہوتا ہی

منظور بسکہ مجھ کو خلافِ رقیب ہی ۔۔۔ بخت نہ یوں سے خوش ہوں کہ وہ خوش نصیب ہی
سن سن کے میرے حال کو کہنے لگا وہ شوخ ۔۔۔ ہر چند جھوٹ ہی یہ فسانہ عجیب ہی
کیا جانیے کہ صبح کہاں جاکے چھپ رہی ۔۔۔ مشکلِ شبِ فراق نہایت مہیب ہی
ہی اک ذرا اُمید عیادت سو یہ کہاں ۔۔۔ بدخواہ کس لیے تو مرا ای طبیب ہی
بے عیب جز خدا کوئی عاشق نہ دلربا ۔۔۔ تیری تو خو بُری ہی ہمارا نصیب ہی
بیداد میں امید وفا بعدِ امتحاں ۔۔۔ جو بات ہی تری سو غرض دلفریب ہی
کیونکہ نہ ہووے جامۂ صد پارہ پُر بہار ۔۔۔ دیوانہ اُس کا ہو(ا) جو بہت جامہ زیب ہی
تاثیر کی اُمید ہو تو فکرِ وصل کیوں ۔۔۔ ہیں اپنے چین سے ہو کہ دل ناشکیب ہی
بیتاب دیکھ کر مجھے کہنے لگا وہ شوخ ۔۔۔ ہم تو یہ جانتے تھے کہ اصغر غریب ہی

ستم جو پاس ہی اترا انتظار کے بدلے
بلا سے موت ہی آجائے یار کے بدلے

ہلال عید قیامت کہ ہم شب غم میں
عذاب اٹھا چکے روز شمار کے بدلے

نہ کی قبول ... ارادہ ایک کاش کریں
وفا نہ کر سکا وعدہ قرار کے بدلے

خیال خون ہم جب چلیں غیر کے ساتھ
ہزار رنگ رخ شرمسار کے بدلے

پیو نہ دل جگر انگار ہی کہ اٹھتے ہیں
ہماری خاک سے شعلے غبار کے بدلے

تمام عمر جدائی ہی کی خلش وصل میں وہ
پلا دے زہر مئے خوش گوار کے بدلے

ہری ہے جیب تو جوش جنوں میں ٹوٹے ہیں
نفس کا تار گریباں کے تار کے بدلے

ہمارے پہلو میں نیرنگ عشق سے اصغر
ہے یاس اب دل امیدوار کے بدلے

منظور انھیں چھیڑ گر نہ ہووے
یوں لطف رقیب پر نہ ہووے

اس مست کو محتسب سزا کیا
اپنی جسے کچھ خبر نہ ہووے

کیا دیوے جواب خط وہ تو خط
جاں بر ہی جو نامہ بر نہ ہووے

ہے شوق میں کیونکر اس کو دیکھوں
ہے وہم کہیں نظر نہ ہووے

جب جانیں کہ ہے کشاکش شوق
آزردہ وہ آن کر نہ ہووے

الفت میں تپش ہو پیدا نہ اتنی
تسکین ہی عمر بھر نہ ہووے

ساماں کے ساتھ ہے خرابی
سر کھو ہیں کہ درد سر نہ ہووے

دل دینے کا فائدہ تو معلوم
اصغر ہی کا ضرر نہ ہووے

خون امید شہادت ہوگی ۔ مانع قتل نزاکت ہوگی

وہ کہینگے کہ ستم اُٹھ نہ سکا ۔ بعد مردن یہ مصیبت ہوگی

اپنی حالت پہ ہنسینگے ہم آپ ۔ کبھی رونے سے جو فرصت ہوگی

ابھی آئے ہو ٹھہر کر جانا ۔ پائے نازک کو اذیت ہوگی

کچھ تو ہی دل میں کہ ہوں میں بیتاب ۔ گر تمنا نہیں حسرت ہوگی

خاک کرنے سے مرے چرخ کو کیا ۔ کچھ اُسی بت کو کدورت ہوگی

ہی گراں ذکر اطبا بھی مجھے ۔ اور کیا ضعف کی شدت ہوگی

حشر میں گر وہ ستمگر آیا ۔ اور اک تازہ قیامت ہوگی

دیکھ آئینہ کہا حیراں ہو ۔ ایسی یوسف کی بھی صورت ہوگی

ملو اصغر صنموں سے ابھی عمر
ہی بہت صرف عبادت ہوگی

تم پہ مرنا ہی کہانی میری ۔ غیر سیکھا ہی زبانی میری

گھر کیا یار نے دل میں تو بھی ۔ نہ گئی دل نگرانی میری

فلک پیر نہ لایا اُس کو ۔ ہوگئی خاک جوانی میری

لے گئی سوئے عدم یاد کمر ۔ بے نشانی ہی نشانی میری

تم میرے حال پہ ہنستے کیا ہو ۔ ہی ستم اشک فشانی میری

کوے پر آنے سے اُن کو کیا کام ۔ ہی مگر خاک اُڑانی میری

ضعف سے ہل نہیں سکتا گویا ۔ سبکی بھی ہے گرانی میری

دل کی باتوں نے بنادی جاں پہ ۔ کیا کہوں ایک نہ مانی میری

دیکھے جو کوئی نظر جل جائے
دیکھنا سوختہ جانی میری

چپ لگی یاد میں اس کی اصغر
ہائے وہ شیوہ بیانی میری

خط جب آیا کہیں وحشت تری تغیر ہوئی
بارے مدت میں مری آہ کی تاثیر ہوئی

دیت خوں مجھے بس نعش کی تشہیر ہوئی
عبرت غیر کو کافی یہی تعزیر ہوئی

وہ خفا میرے منانے کو ہوسناک سے ہے
کس سے تقصیر ہوئی اور کسے تعزیر ہوئی

ناصحا اب تو نہ بک تو کہ کروں یار کا ذکر
خیر دو چار گھڑی تجھ سے بھی تقصیر ہوئی

میری فریاد کو واعظ نہیں سننا گویا
میری آواز بھی آوازِ مزامیر ہوئی

ناتواں میری طرح سے تو نہ تھی [illegible]
کہ یہاں آنے میں کیوں موت کو تاخیر ہوئی

ایک سے دونوں ہیں نیکی کی امید ان سے غلط
تیری عادت ہوئی ظالم مری تقدیر ہوئی

بن گئی روزِ جزا خوف سے نالوں کے مرے
زلزلت از بس کہ شب ہجر کی تغیر ہوئی

نہ ٹھہرتا میں سلاسل میں کبھی پر اصغر
ناتوانی ہی مری پانوں میں زنجیر ہوئی

وفا کی جس قدر اُس نے جفا کی
جفا گویا شکایت تھی وفا کی

اسی دم میں وہ آجائے تو آجائے
ہوا باندھی ہے آہ نارسا کی

رہی یاں تیرے رونے سے شب غم
ہمیشہ صبح عالم میں ہوا کی

فلک لائیگا اس کو رحم پر اب
کہ مجھ کو ہو گئی ہے خو جفا کی

بلائیں روز محشر کو شب غم
اگر ہو بات اس میں مدعا کی

قلق سے دل کے آیا ناک میں دم
کہاں ہیں شوخیاں ناز و ادا کی

بگڑنا غیر کے آتے ہی کیا تھا
بن آئی بات بس اُس بے وفا کی

سمجھتا ہوں بہانے سیر گل کے
چلے ہیں خاک اُڑانے کو صبا کی

ہوئے ناخوش تپاں دیکھا جو مجھ کو
خدنگ غمزہ نے گویا خطا کی

اُٹھائے ہاتھ یوں روتا ہوں گویا
اُٹھی تاثیر دنیا سے دعا کی

دماغ شعر خوانی کس کو اصغر
اگر شورش یہی ہو مرحبا کی

وفا کی جان کو روؤں کہ اپنی جاں کے لیے
ستم عدو کے لیے ہے نہ امتحاں کے لیے

ہیں فرط شوق سے مجبور تھا شب وصل اور
اُنھیں یہ رنج کہ بدلے غم نہاں کے لیے

ستم ہی میں دل خوں گشتہ کا کروں ماتم
نشاط عید ہو مژگان خونچکاں کے لیے

اثر سے نالہ لیے ہیں کام کیا کیا کچھ
نہ کیوں کہ جان لیے جائے ارمغاں کے لیے

عدو کا سینہ جو پھٹتا تو خوب تھا افسوس
کیا کس آہ کو برباد آسماں کے لیے

بنا اک اور فلک دود دل کہ شام فراق
بلائیں کچھ تو زیادہ ہوں میری جاں کے لیے

نشاں رہی پئے صیاد اگر نہ ہو منظور
کسے دماغ کہ لائے خس آشیاں کے لیے

ہوس قبول جو ہر حال میں ہو شیوۂ ناز
ہیں اور خاک ہوں غیروں کے امتحاں کے لیے

وہ بوسہ دیں ہمیں آب بقا سے کیا ای خضر
ترے پہ مرتے ہیں نہ عمر جاوداں کے لیے

رگڑنے پائے نہ اُس آستاں سے سر ہر چند
جھکے فریب سے پابوس آستاں کے لیے

ہیں قتل عام سے اس کے ہوں شاد شاد اصغر
کہ رحم اثر نے رکھا ہے مری فغاں کے لیے

یاد ہے کس شوخ کی کیوں بے قراری ہوگئی
زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی

حسرت بوئے گل اندام آپ کو بھی ہے کہ یوں
باعثِ دلبستگی بادِ بہاری ہوگئی

روتے ہو منہ ڈھانک کر کس کی ہنسی کی یاد میں
پردہ در یہ آپ ہی کی پردہ داری ہوگئی

وضع کس کی بھائی جو طرز آگئی میری پسند
کیوں وفا تم کو جفا سے بھی پیاری ہوگئی

رو پڑے کچھ سوچ کر تم زار بلبل کی طرح
سب عیاں گل رو کہ ہے دلفگاری ہوگئی

ل گیا اے جاں کہاں سے تم کو تم سلبِ وفا
زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی

ہیں زباں زد شعر درد آلودہ کس کے غم میں کیوں
نغمہ سازی حیلہ بہر آہ و زاری ہوگئی

گر اُٹھے بیتابیِ دل سے تو بیٹھے بھر کے آہ
کیا ہوا یہ کیوں نزاکت تم پہ بھاری ہوگئی

کی تلافی ستم عاشق ہوئے وہ اور یہ
ہم سے اصغر دشمنی گردوں پہ بھاری ہوگئی

کیا بُرا تھا آ کے تم گر میرا مرنا دیکھتے
دیکھ لیتا میں تمھیں اور تم تماشا دیکھتے

ہاتھ واں جمتے نہیں کیونکر نہ لوٹیں خاک میں
یوں نہ کرتے آہ گر کچھ بھی سہارا دیکھتے

کون دیتا پھر پہ طعنِ ناشکیبائی مجھے
آئینہ میں گر کبھی تم حسن اپنا دیکھتے

ہجر میں گھبرا گیا جی دل کے لگتے ہی اگر
مر گئے ہوتے تو کیوں دکھ زندگی کا دیکھتے

شمع کو ناچار بزمِ وصل میں گل کر دیا
ہم سے کب ہوتا کہ پروانے کو جلتا دیکھتے

جوشِ گریہ سے ہوا تاریک نظروں میں جہاں
ہم اگر ہوتے بھی اُس محفل میں تو کیا دیکھتے

روزِ روشن دیکھنا ہوتا مقدر میں تو ہم
خواب میں بھی جلوۂ خورشید سیما دیکھتے

دشمنِ جاں تھی نگہبانی کہ آنکھیں پھر گئیں
اُس کو سوئے غیر جو آنکھوں سے دیکھا دیکھتے

بوالہوس اور لافِ جذبِ دل غلط کچھ بات ہے
گر نہ تھا یاور تو میرے پاس تم آ دیکھتے

نعش پر آکر ہوا وہ نعرہ زن اور اشک ریز
ہائے گر اور ایک دم جیتے تو کیا کیا دیکھتے

دل تو گھبراتا ہے اُس بن پر تسلی کے لیے
تم تو اصغر اور ہی شغلوں میں بہلا دیکھتے

اے بدگمان ترک وفا کا گمان ہے
دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہے

غیرت کی جا ہے حال مرا کیوں نہ شاد ہو
دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہے

ہم بھی کسی سے اب نہ نباہیں گے بے وفا
جو تیری آن ہے وہی اپنی بھی آن ہے

ہے آہ بے اثر سے یہ دردِ بلا کا جوش
جو دود میرے دل سے اٹھا آسمان ہے

الماس ریزے زخم میں ہیں کس قدر بھری
ہیرا افزار کیا ہے کہ ہیرے کی کان ہے

اس مہروش سے کہہ نہ سکے گاہ سوزِ دل
کہنے کو مثلِ شمع ہماری زبان ہے

اے آہ رحم چاہیے تجھ کو کہ چرخ کے
وردِ زبان غلغلۂ الامان ہے

خانہ خراب عشق کا اعزاز دیکھنا
کہتے ہیں وہ مقام ترا لامکان ہے

فرصت میں یادِ وصل سے سینہ ہے داغ داغ
گویا یہ عیش رفتہ کے پا کا نشان ہے

ہرجائی ہے وہ شوخ اُٹھا ہاتھ جان سے
اصغر یہ دوستی ہے تو دشمن جہان ہے

شاد ہونا ہو تو پھر قتل کا غم بھی بس ہے
زندگی مرگ طرب کو کوئی دم بھی بس ہے

عرض پابوس میں خوں گردنِ جاناں پہ ہوا
سرفرازی کے لیے بخت ورم بھی بس ہے

نقد جاں عشق میں کیوں کھوئیں کہ اصغر پئے عشق
یہ تو اک چیز ہے ایثار درم بھی بس ہے

پھر آنے کی ٹھہری صنمِ عربدہ جو کی
دل میرے پھرے پھر گئی تقدیر عدو کی

رنگِ مئے نوشیدہ نظر صاف ہی آتا
تشبیہ ہی شیشہ سے بجا تیرے گلو کی

تن میں طربِ قتل سی آئی تھی ابھی تو
ٹپکی جو یہ خنجر سے ترے بوند لہو کی

دل رشک کی گرمی سے جلے کیونکہ نہ میرا
ظالم سبب گریہ ہی گرمی تری خو کی

برہم ہوئے کیا کاکلِ خمدار تمہارے
جب غرض پریشانیِ دل یکسر مو کی

ہمسایوں کے دکھ دینے سے حاصل دلِ ناداں
سننے کا نہیں وہ بتِ مغرور کسی کی

دل میں لیں تو یہ ہوس آئی نہیں اصغر
اور آئی ہی گا ہے تو وہی جام و سبو کی

نہیں امیدِ اثر گرچہ اک ذرا پر ہی
فلک کو پھونک کے اب نالہ پھر ہوا پر ہی

یہ دلِ شوق ہی ظالم کہ کہہ نہیں سکتا
خموشی اپنی دلیل اپنے مدعا پر ہی

نگاہِ گرم سے اُن کے جلا ہی دشمن اور
انھیں گمان مری آہِ شعلہ زا پر ہی

نہ تن کا ہوش نہ جاں کا نہ ہوں ہے آپ میں آہ
دل آ گیا کسی بیگانہ آشنا پر ہی

ہوئی ہی مرگ جو اس رنجِ زیست پر دشوار
یقیں وفا کا اب اس شوخِ بے وفا پر ہی

نہ کیوں کہ جامۂ ہستی فنا کروں ہی ہی
عدو کے خون سے چھینٹ آپ کی قبا پر ہی

ہزار خوں ہوں جگر لیک کہہ نہیں سکتا
نہ بے وجہ مجھے شک حسنِ بے حنا پر ہی

خود آ گیا تری حالت پہ رحم اُسے اصغر
عبث ہے ناز تجھے طالعِ رسا پر ہی

دشمن سے مجھے مانعِ وفا ہی
شاید اُسے کچھ اثر ہوا ہی

بے عشق محال زندگانی ‏— جو درد ہی یاں وہی دوا ہی؛
رکھ شوق سے اپنی زلف میں تو ‏— ظالم مرا دل بھی اک بلا ہی؛
کس آس پہ میں بھی اُس کو چھوڑوں ‏— جو ہی سو جہاں میں بے وفا ہی؛
خنجر اس نازکی پہ نکلا ‏— کیا یہ بھی عدو کا مدعا ہی؛
اے آہ فلک شکن مبارک ‏— طالع کا عدو کو آسرا ہی؛
مرتا ہوں کہ اس طرف نہ دیکھا ‏— بیری اجل آپ کی حیا ہی؛
گر شعر میں وصل کا ہو مضمون ‏— کہتا ہی وہ شوخ رونما ہی؛
تھا یار ابھی دل میں اور نہ پہنچا ‏— نالہ اپنا جو نارسا ہی؛
جس درد کی ابتدا اجل تھی ‏— کیا اُس کی قیامت انتہا ہی؛

کیا آج بگڑ گئی صنم سے
اصغر لب پر خدا خدا ہی

شوق بیجا ہیں ناز اُٹھانے کے ‏— ہم کہاں بعد آزمانے کے
محتسب سنگسار کو میرے ‏— لانا پتھر شراب خانے کے
تیرے دامن میں آکے غنچۂ و گل ‏— پیرہن میں نہیں سمانے کے
تھا یہی شکوۂ صنم کا جواب ‏— کہ تمہیں اب نہیں ستانے کے
ہم تو سو بار جی سے جائیں ولے ‏— تم نہیں ایک بار آنے کے
جذب دل لاخلاف وعدہ کے بعد ‏— کہ بہلانے سنوں بہانے کے
صاف ہو تم تو کچھ نہیں عاشق ‏— اپنی ہم خاک میں ملانے کے
سرجدا تن سے ہو گیا اصغر ‏— لطف دیکھے یہ دل لگانے کے

شکوۂ ہجراں راس نہ آیا کھل گئی وصل دشمن کی
ہم نے جب تمہید اُٹھائی اُس نے نیچی گردن کی

قبر غدو پر پھول چڑھائے لاکر کوئے جاناں سے
باد صبا نے خاک اُڑائی خوب ہمارے مدفن کی

کیوں نہ اُٹھائے اُس کے اثر سے رنج قفس کا اے ہمدم
ملتی ہی شور مرغ چمن میں وضع ہمارے شیون کی

غیر سے وہ بے وجہ ملا کب جھوٹ کہا یہ جس نے کہا
پھونک نہ دیتی گھر کو بجلی اُس کے روئے روشن کی

اس نے نہ چھوڑا میرا جلانا خاک میں بے تقصیر ملانا
کام نہ آئی کچھ بھی دل گرمی آہِ آتش افگن کی

دورِ ناز نکبر دیکھو اُڑ کے نہ بیٹھے نخوت سے
روئے چرخ اطلس پر بھی گرد ہمارے دامن کی

تیری گلی میں آکر گلرو عاشق پر بھی سکتا ہی
چاہ نہیں ہو اور کی ہوگی۔ خواہش سیر گلشن کی

شکوۂ ناکامی پر طعن طالع واژوں کیوں ظالم
میرے بخت نار کس سے تم تک ہو رسائی دشمن کی

میرے شکوہ سے بدظن ہو ہم سر دخل نہیں یہہ اے اصغر
گرد ہے آگے اپنے فلق کے شوخی اُس کے توسن کی

عاشق اس کو میں ہی کو بیم اجل جاتا ہی | جان جاتی ہو دلے جی تو بہل جاتا ہی

خون امید شہادت ہوگی ۔ مانع قتل نزاکت ہوگی ؂

وہ کھینچینگے کہ ستم اُٹھ نہ سکا ۔ بعد مردن یہ مصیبت ہوگی ؂

اپنی حالت پہ ہنسینگے ہم آپ ۔ کبھی رونے سے جو فرصت ہوگی ؂

ابھی آئے ہو ٹھہر کر جانا ۔ پائے نازک کو اذیت ہوگی ؂

کچھ تو ہو دل میں کہ ہوں میں بیتاب ۔ گر تمنا نہیں حسرت ہوگی ؂

خاک کرنے سے مرے چرخ کو کیا ۔ کچھ اُسی بت کو کدورت ہوگی ؂

ہے گراں ذکر اطبا بھی مجھے ۔ اور کیا ضعف کی شدت ہوگی ؂

حشر میں گر وہ ستمگر آیا ۔ اور اک تازہ قیامت ہوگی ؂

دیکھ آئینہ کہا حیراں ہو ۔ ایسی یوسف کی بھی صورت ہوگی ؂

ملو اصغر صنموں سے ابھی عمر
ہے بہت صرف عبادت ہوگی

تم پہ مرنا ہی کہانی میری ۔ غیر سیکھا ہے زبانی میری

گھر کیا یار نے دل میں تو بھی ۔ نہ گئی دل نگرانی میری

فلک پیر نہ لایا اُس کو ۔ ہو گئی خاک جوانی میری

لے گئی سوئے عدم باد کمر ۔ بے نشانی ہے نشانی میری

تم میرے حال پہ ہنستے کیا ہو ۔ ہے ستم اشک فشانی میری

گور پر آنے سے اُن کو کیا کام ۔ ہے مگر خاک اُڑانی میری

ضعف سے ہل نہیں سکتا گویا ۔ سبکی بھی ہے یہ گرانی میری

دل کی باتوں نے بنا دی جاں پر ۔ کیا کہوں ایک نہ مانی میری

دیکھیے جو کوئی نظر جل جائے
دیکھنا سوختہ جانی میری

چپ لگی یاد میں اس کی اصغر
ہائے وہ شیوہ بیانی میری

خط جب آیا کہیں وحشت تری تغیر ہوئی
بارے مدت میں مری آہ کی تاثیر ہوئی

دہشت خوں مجھے بس نعش کی تشہیر ہوئی
عبرت غیر کو کافی یہی تعزیر ہوئی

وہ خفا میرے منانے کو ہوسناک سے ہی
کس سے تقصیر ہوئی اور کسے تعزیر ہوئی

ناصحا اب تو نہ بک تو کہ کروں یار کا ذکر
خیر دو چار گھڑی تجھ سے بھی تقصیر ہوئی

میری فریاد کو واعظ نہیں سنتا گویا
میری آواز بھی آواز مزامیر ہوئی

ناتواں میری طرح سے تو نہ تھی [illegible]
کہ یہاں آنے میں کیوں موت کو تاخیر ہوئی

ایک سے دونوں ہیں نیکی کی امید اُن سے غلط
تیری عادت ہوئی ظالم مری تقدیر ہوئی

بن گئی روز جزا خوف سے نالوں کے مرے
زنگت ازبس کہ شب ہجر کی تغیر ہوئی

نہ ٹھہرتا میں سلاسل میں کبھی پر اصغر
ناتوانی ہی مری پانوں میں زنجیر ہوئی

وفا کی جس قدر اُس نے جفا کی
جفا گویا شکایت تھی وفا کی ؛

اسی دم میں وہ آجائے تو آجانے
ہوا باندھی ہی آہ نارسا کی ؛

رہی یاں تیرے رونے سے شب غم
ہمیشہ صبح عالم میں ہوا کی ؛

فلک لائیگا اس کو رحم پر اب
کہ مجھ کو ہوگئی ہی خو جفا کی ؛

بلا لیں روز محشر کو شب غم
قلق سے دل کے آیا ناک میں دم
بگڑنا غیر کے آتے ہی کیسا تھا
سمجھتا ہوں بہانے سیر گل کے
ہوئے ناخوش تپاں دیکھا جو مجھ کو
اُٹھائے ہاتھ یوں رونا ہوں گویا

اگر ہو بات اس میں مدعا کی
کہاں ہیں شوخیاں ناز و ادا کی
بن آئی بات بس اُس بے وفا کی
چلے ہیں خاک اُڑانے کو صبا کی
خدنگ غمزہ نے گویا خطا کی
اُٹھی تاثیر دنیا سے دعا کی

دماغ شعر خوانی کس کو اصغر
اگر شورش یہی ہو مرحبا کی

وفا کی جان کو دوں کہ اپنی جاں کے لیے
ہیں فرط شوق سے مجبور تھا شب وصل اور
ستم ہی میں دل خوں گشتہ کا کروں ماتم
اثر سے نالہ لیے ہیں کام کیا کیا کچھ
عدو کا سینہ جو پھٹتا تو خوب تھا افسوس
بنا اک اور فلک دود دل کہ شام فراق
نشاں دہی پے صیاد اگر نہ ہو منظور
ہوس قبول جو ہر حال میں ہو شیوہ ناز
وہ بوسہ دیں ہمیں آب بقا سے کیا ای خضر
رگڑنے پائے نہ اُس آستاں سے سر ہر چند
ہیں قتل عام سے اس کے ہوں شاد شاد اصغر

ستم عدو کے لیے ہو نہ امتحاں کے لیے
اُنھیں یہ رنج کہ بدلے غم نہاں کے لیے
نشاط عید ہو مژگان خونچکاں کے لیے
نہ کیوں کہ جان لیے جائے ارمغاں کے لیے
کیا کس آہ کو برباد آسماں کے لیے
بلائیں کچھ تو زیادہ ہوں میری جاں کے لیے
کسے دماغ کہ لائے خس آشیاں کے لیے
ہیں اور خاک ہوں غیروں کے آستاں کے لیے
مرے پہ مرتے ہیں نے عمر جاوداں کے لیے
جھکے فریب سے پابوس آستاں کے لیے
کہ رحم اثر نے رکھا ہو مری فغاں کے لیے

یا دہی کس شوخ کی کیوں بے قراری ہوگئی
زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی

حسرت بوئے گل اندام آپ کو بھی ہے کہ یوں
باعث دلبستگی باد بہاری ہوگئی

روتے ہو منہ ڈھانک کر کس کی ہنسی کی یاد میں
پردہ در یہ آپ ہی کی پردہ داری ہوگئی

وضع کس کی بھائی جو طرز آگئی میری پسند
کیوں وفا نام کو جفا سے بھی پیاری ہوگئی

رو پڑے کچھ سوچ کر تم زار بلبل کی طرح
سب عیاں گل رو کہے سے دلفگاری ہوگئی

ل گیا لے جاں کہاں سے تم کو تم سلب وفا
زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی

ہیں زباں زد درد آلودہ کس کے غم میں کیوں
نغمہ سازی حیلہ بہر آہ و زاری ہوگئی

گر اٹھے بیتابی دل سے تو بیٹھے بھر کے آہ
کیا ہوا یہ کیوں نزاکت تم پہ بھاری ہوگئی

کی تلافی ستم عاشق ہوئے وہ اور پر
ہم سے اصغر دشمنی گردوں پہ بھاری ہوگئی

کیا برا تھا آکے تم گر میرا مرنا دیکھتے
دیکھ لیتا میں تمھیں اور تم تماشا دیکھتے

ہاتھ واں جمتے نہیں کیونکر نہ لوٹیں خاک میں
یوں نہ کرتے آہ گر کچھ بھی سہارا دیکھتے

کون دیتا پھر پے طعن ناشکیبائی مجھے
آئینہ میں گر کبھی تم حسن اپنا دیکھتے

ہجر میں گھبرا گیا جی دل کے لگتے ہی اگر
مر گئے ہوتے تو کیوں دکھ زندگی کا دیکھتے

شمع کو ناچار بزم وصل میں گل کر دیا
ہم سے کب ہوتا کہ پروانے کو جلتا دیکھتے

جوشش گریہ سے ہوا تاریک نظروں میں جہاں
ہم اگر ہوتے بھی اس محفل میں تو کیا دیکھتے

روز روشن دیکھنا ہوتا مقدر میں تو ہم
خواب میں بھی جلوۂ خورشید سیما دیکھتے

دشمن جاں تھی نگہبانی کہ آنکھیں پھر گئیں
اس کو سوئے غیر جو آنکھوں سے دیکھا دیکھتے

بوالہوس اور لاف جذب دل غلط کچھ بات ہے
گر نہ تھا باور تو میرے پاس تم آ دیکھتے

نعش پر آکر ہوا وہ نعرہ زن اور اشک ریز
ہائے گر اور ایک دم جینے تو کیا کیا دیکھتے

دل تو گھبراتا ہی اس بن پر تسلی کے لیے
تم تو اصغر اور ہی شغلوں میں بہلا دیکھتے

اے بدگمان ترک وفا کا گمان ہی
دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی

دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی

غیرت کی جا ہی حال مرا کیوں نہ شاد ہو
جو تیری آن ہی وہی اپنی بھی آن ہی

ہم بھی کسی سے اب نہ نباہیں گے بے وفا
جو دود میرے دل سے اٹھا آسمان ہی

ہی آہ بے اثر سے یہ دردو بلا کا جوش
میرا مزار کیا ہی کہ ہیرے کی کان ہی

الماس ریزے زخم میں ہیں کس قدر بھری
کہنے کو مثل شمع ہماری زبان ہی

اس مہروش سے کہہ نہ سکے گاہ سوز دل
ورد زبان غلغلۂ الامان ہی

اے آہ رحم چاہیے تجھ کو کہ چرخ کے
کہتے ہیں وہ مقام ترا لامکان ہی

خانہ خراب عشق کا اعزاز دیکھنا
گویا یہ عیش رفتہ کے پا کا نشان ہی

فرصت میں یاد وصل سے سینہ ہی داغ داغ

ہرجائی ہی وہ شوخ اٹھا ہاتھ جان سے
اصغر یہ دوستی ہی تو دشمن جہان ہی

شاد ہونا ہو تو پھر قتل کا غم بھی بس ہی
زندگی مرگ طرب کو کوئی دم بھی بس ہی

عرض پابوس ہیں خون گردن جاناں پہ ہوا
سرفرازی کے لیے بخت وژم بھی بس ہی

نقد جاں عشق میں کیوں کھوئیں کہ اصغر پے عشق
یہ تو اک چیز ہی ایثار درم بھی بس ہی

پھر آنے کی ٹھہری صنم عربدہ جو کی
دل میرے پھرے پھر گئی تقدیر عدو کی

رنگ مے نوشیدہ نظر صاف ہے آتا
تشبیہ ہے شیشہ سے بجا تیرے گلو کی

تن میں طرب قتل سی آئی تھی ابھی تو
ٹپکی جو یہ خنجر سے ترے بوند لہو کی

دل رشک کی گرمی سے جلے کیونکہ نہ میرا
ظالم سبب گریہ ہے گرمی تری خو کی

برہم ہوئے کیا کاکل خمدار تمھارے
جب عرض پریشانی دل یکسر مو کی

ہمسایوں کے دکھ دینے سے حاصل دل ناداں
سننے کا نہیں وہ بت مغرور کسی کی

دل میں ہیں تو یہ ہوس آئی نہیں اصغر
اور آئی ہی گا ہے تو وہی جام و سبو کی

نہیں امید اثر گرچہ اک ذرا پر ہے
فلک کو پھونک کے اب نالہ پھر ہوا پر ہے

پہ طول شوق ہے ظالم کہ کہہ نہیں سکتا
خموشی اپنی دلیل اپنے مدعا پر ہے

نگاہ گرم سے ان کے جلا ہے دشمن اور
انھیں گمان مری آہ شعلہ زا پر ہے

نہ تن کا ہوش نہ جاں کا نہ ہوں میں آپ میں آہ
دل آ گیا کسی بیگانہ آشنا پر ہے

ہوئی ہے مرگ جو اس رنج زیست پر دشوار
یقیں وفا کا اب اس شوخ بے وفا پر ہے

نہ کیوں کہ جامۂ ہستی فنا کروں ہے ہے
عدو کے خون سے چھینٹ آپ کی قبا پر ہے

ہزار خوں ہوں جگر لیک کہہ نہیں سکتا
نہ بے وجہ مجھے شک حسن بے حنا پر ہے

خود آ گیا تری حالت پہ رحم اسے اصغر
نشست پہ ناز تجھے طالع رسا پر ہے

دشمن سے مجھے مانع وفا ہے
شاید اسے کچھ اثر ہوا ہے

بے عشق محال زندگانی
جو درد ہے یاں وہی دوا ہے

رکھ شوق سے اپنی زلف میں تو
ظالم مرا دل بھی اک بلا ہے

کس آس پہ میں بھی اس کو چھوڑوں
جو ہے سو جہاں میں بے وفا ہے

خنجر اس نازکی پہ نکلا
کیا یہ بھی عدو کا مدعا ہے

اے آہ فلک شکن مبارک
طالع کا عدو کو آسرا ہے

مرتا ہوں کہ اس طرف نہ دیکھا
میری اجل آپ کی حیا ہے

گر شعر میں وصل کا ہو مضمون
کہتا ہے وہ شوخ رونما ہے

تھا یا رہی دل میں اور نہ پہنچا
نالہ اپنا جو نارسا ہے

جس درد کی ابتدا اجل تھی
کیا اس کی قیامت انتہا ہے

کیا آج بگڑ گئی صنم سے
اصغر لب پر خدا خدا ہے

شوق بیجا ہیں ناز اٹھانے کے
ہم کہاں بعد آزمانے کے

محتسب سنگسار کو میرے
لانا پتھر شراب خانے کے

تیرے دامن میں آ کے غنچۂ گل
پیرہن میں نہیں سمانے کے

تھا یہی شکوۂ صنم کا جواب
کہ تمہیں اب نہیں ستانے کے

ہم تو سو بار جی سے جائیں ولے
تم نہیں ایک بار آنے کے

جذب دل لاخلاف وعدہ کے بعد
کہ بہانے سنوں بہانے کے

صاف ہو تم تو کچھ نہیں عاشق
اپنی ہم خاک میں ملانے کے

سر جدا تن سے ہو گیا اصغر
لطف دیکھے یہ دل لگانے کے

شکوۂ ہجراں راس نہ آیا کھل گئی وصل دشمن کی
ہم نے جب تمہید اٹھائی اس نے نیچی گردن کی

قبر عدو پر پھول چڑھائے لاکر کوئے جاناں سے
باد صبا نے خاک اڑائی خوب ہمارے مدفن کی

کیوں نہ اٹھائے اس کے اثر سے رنج قفس کا اے ہمدم
ملتی ہی شور مرغ چمن میں وضع ہمارے شیون کی

غیر سے وہ بے وجہ ملا کب جھوٹ کہا یہ جس سے کہا
پھونک نہ دیتی گھر کو بجلی اس کے روئے روشن کی

اس نے نہ چھوڑا میرا جلانا خاک میں بے تقصیر ملانا
کام نہ آئی کچھ دل گرمی آہ آتش افگن کی

دور ناز تکبر دیکھو اڑکے نہ بیٹھے نخوت سے
روئے چرخ اطلس پر بھی گرد ہمارے دامن کی

تیری گلی میں آکر گرد عاشق پر بھی سکتا ہی
چاہ نہیں یہ اور کی ہوگی - خواہش سیر گلشن کی

شکوۂ ناکامی پر طعن طالع واژوں کیوں ظالم
میرے بخت نارس سے تم تک ہی رسائی دشمن کی

میرے شکوہ سے بدظن ہو ہم سر دخل نہیں یہہ اے اصغر
گرد ہے آگے اپنے قلق کے شوخی اس کے توسن کی

عاشق اس کو یں ہی کو بیم اجل جاتا ہی	جان جاتی ہو ولے جی تو بہل جاتا ہی

رشک سے ہو وہ مرے آتشِ دل پر روغن
عطرِ محفل میں وہ غیروں کی جو جل جاتا ہے

اُس کو قابو میں شبِ وصل میں لاؤں لیکن
کیا کروں دل مرے قابو سے نکل جاتا ہے

دیکھ لیتے ہو رقیبوں کے بگڑنے کی بہار
دل ہمارا اگر ایک دم بھی سنبھل جاتا ہے

آہ کو بے اثری میں بھی اثر ہے یعنی
وہمِ تاثیر سے دلِ غیر کا جل جاتا ہے

لطفِ سابق کی بھی ہوتی ہے تلافی پیدا
اس قدر بھی کوئی دنیا میں بدل جاتا ہے

پاؤں بھی دیکھتے ہیں یار کے جب دیکھتے ہیں
پائے نظارہ صفا سے جو پھسل جاتا ہے

اصغر اب جرم پئے ہم ہیں ہی مجبور کہ غیر
دیکھ کر تم کو خفا خوف سے ٹل جاتا ہے

افسوس اور دورِ امید سحر گئی
ہجراں کی شب سے صبحِ قیامت بھی ڈر گئی

ظالم فراق کی ہے رقیبوں کو آرزو
پروانہ کی ہے زیست اگر شمع مر گئی

بندِ گرانِ ضعف میں کتنا فراق تھا
تکلیف کاوش و دم بے اثر گئی

دی ماہ تک بھی چاک ہے سینہ بہ رنگِ گل
فصلِ بہار اب کے یہ کیا گل کتر گئی

صبحِ فراق کوئی نہ ٹھہرا ہمارے پاس
القصہ وہ اُدھر گئی اور جاں اِدھر گئی

مدت کے بعد کی نظرِ لطف اور وہ لے
ہرجائی پن سے آتے ہی آتے بکھر گئی

آیا وہ نعش پر جو نہ آیا تھا عمر بھر
لو زندگی سے موت مرا کام کر گئی

کب شوق کم ہوا مژہ ہائے دراز کا
کب دل سے لذتِ خلشِ نیشتر گئی

اصغر بتوں کے پاؤں پہ سر رکھتے ہو بھلا
وہ حق پرستی اور وہ بزرگی گزر گئی

غیروں کی ہنسنے سے جو وہ خرسند ہو گئے
یہ کھل کے روئے ہم کہ عدو بند ہو گئے

لایا نہ آسماں کبھی اُس جامہ زیب کو
ہر چند ہم زمین کے پیوند ہو گئے

احوال فرط ضعف کا اے ہم نفس نہ پوچھ
شور و فغاں اشارے کے مانند ہو گئے

وحشت ہی عشق میں ہیں اہل زمانہ سے
دیوانے کیا ہوئے کہ خردمند ہو گئے

جینے سے بس کہ ہجر میں مرنا عزیز تھا
جب غم بڑھا ہم اور بھی خرسند ہو گئے

کہنے سے پند گو کہ نہ چھٹنا وہ مجھ سے پر
طعنے عدو کے حق میں مرے پند ہو گئے

تلخی شوق بوسۂ شیریں لباں نہ پوچھ
ہم کشتۂ صلاح سمر قند ہو گئے

اعضا کے لوٹنے کا یہہ عالم ہی پند گو
گویا کہ یہ بھی یار کی سوگند ہو گئے

دن رات وصل ماہ وش اے اصغر اب کہاں
کیا دن تھے ہائے ہائے جو یک چند ہو گئے

کیا جلد جانے کا گلہ اُس شہسوار سے
بھڑکا سمند نالۂ بے اختیار سے

ہی شوق بوسہ خنجر مژگان یار سے
آتی ہی بوئے خون دل امیدوار سے

یہہ نازکی کہ طاقت خمیازہ بھی نہیں
ہوتا ہی اس کا رنگ شکستہ خمار سے

جل جائے بن جلائے مقرر جو شمع کا
رشتہ بنا ہیں میرے گریباں کے تار سے

کیا خاک ہو بہار میں دیوانگی کا جوش
نسبت نہیں ہی گل کو مرے گلعذار سے

ناصح یہ سچ ہی گو کہ میں دیوانہ ہوں تو پھر
تقریر جا کے کیجے کسی ہوشیار سے

ڈرتا ہوں میں کہ رشتۂ الفت نہ ٹوٹ جائے
اے بے وفا کشیدگی بار بار سے

مٹی نہ لا کے کوچۂ قاتل سے دے اگر
بھاگے ہماری لاش مقرر مزار سے

اصغر بتوں کو خلد میں دیوے جگہ خدا
دوزخ کی گر بنا ہو ہمارے غبار سے

سمجھا نہ یہ کہ جان عبارت اُسی سے ہی
لو غیر ظلم دیکھ کے بیزار جی سے ہی

کیا جلنے دل دہی نہیں کیوں تیرے دلنشیں
ورنہ یہ شیوہ ہائے خوش دلبری سے ہی

مجمع ہی خلق کا دم تشہیر لاش ہائے
کیا بیکسی نباہ مری بیکسی سے ہی

سمجھا کہ تاب نالہ و افغاں نہیں رہی
زور آسمان کا مری بے طاقتی سے ہی

اے بوالہوس یہ خندۂ بیجا خلاف یار
ہر چند میرے حال پہ رونا ہنسی سے ہی

رہویں سلامت آپ کی یہ بیوفائیاں
باقی جہاں میں نام وفا غیر ہی سے ہی

حوروں کو دیکھ کے جلتا ہوں رشک سے
نقشہ جو ایک خلد کا اُس کی گلی سے ہی

مت دیر کیجیو کہ ہی گو دیر آنے میں
پر دل کمال شوق سے مضطر ابھی سے ہی

صد پارہ یاد نرگس میگوں سے دل ہوا
اس شیشہ کو شکست خیال پری سے ہی

تھی فکر بیگناہی قاتل کو وقت قتل
صد شکر مدعی گلۂ مدعی سے ہی

اصغرؔ سمجھ کہ عشق میں جینا عذاب ہی
گر وہ عدو بھی ہی تو مری دوستی سے ہی

اجل رقیب کی یا میرا وقت آیا ہی
وہ بگڑے بیٹھے ہیں کیا جانے کیا نہیں کیا ہی

میں اپنی زیست سے تھا یارب اس قدر بیزار
کہ میرے خون کا قاتل کو مجھ سے دعویٰ ہی

برا نہ مانیو پھر گر کریں نگہبانی
ہمیں رقیب سہی غیر گھر تمہارا ہی

اجل سے بھی طپش دل نہ کم ہوئی سچ ہی
کسی کا کام کسی سے نہیں نکلتا ہی

ستم رقیب پہ کیونکر کروگے سمجھو تو
یہ کیا کہا کہ ہمیں کیا تمہاری پروا ہی

مزا یہ قتل میں پایا کہ بعد قتل مجھے
تھی جیسے مرنے کی پھر جینے کی تمنا ہی

فغاں سے رہتے ہیں ہمسائے رات بھر بیدار
جہاں میں اتنا ہمارے ہی دم سے چرچا ہی

ہی عشق رشک پری سے یہ وحشت اور ناصح — مجھے بتاتے ہیں دیوانہ ان کو سودا ہی

یہ کاہشِ غمِ الفت بڑھی کہ اے اصغر
تخلص اپنا نہیں اسم با مسمیٰ ہیں

نہ آئیں بہر عیادت خیال رہتا ہی — غضب میں رہتے ہیں جی گز بحال رہتا ہی
لہو کی بوند کہاں دل میں یہ سویدا ہی — کہ گرمیِ دلِ سوزاں سے لال رہتا ہی
جو چین سے ہو تو دے چین آہِ پیہم سے — فلک کو مجھ سے زیادہ ملال رہتا ہی
یہ درگزر سے مری اب تلک نہیں ورنہ — وہ روز در پے جنگ و جدال رہتا ہی
وہ دن گئے کہ تھے اُس گل کے پاس رنگ شمیم — اب انتظار نسیم و شمال رہتا ہی
کبھی نہ بھول کے دیکھیں وہ دیکھ تو لے غیر — کہ کس قدر اُنھیں میرا خیال رہتا ہی
زبس ہی حرف بہت زخم پر چھڑکنے کا — نمک کا میرے زمانہ میں کال رہتا ہی

ہمیشہ ہی دل اصغر میں شوق شاہد و مے
کہ چہرہ بر عرقِ انفعال رہتا ہی

آ چکے کہ وقت نزع بھی شوق وصال ہی — کیا حوصلہ وسیع ہو گو تنگ حال ہی
بیتابیاں غضب ہیں مری برقِ آہ کی — ٹھہرے اک آن چرخ کہیں کیا مجال ہی
کیسی شراب نشۂ الفت سے ہی یہ حال — میں کس خیال میں ہوں تجھے کیا خیال ہی
ہی رشک غیر سے ہوسِ وصل دور اب — تیرے مریضِ غم کا ٹھہرنا محال ہی
ہیں مست بزم یار سے آتا ہوں محتسب — ہی گلشنِ بہشت میں کافر حلال ہی

اے چرخ انتقام پہ پابوس یار کا
اب تک بھی مشت خاک مری پائمال ہے

رونے پہ میرے اب تو نہ ہنس تو جبینِ غیر
طوفاں رسیدۂ عرق انفعال ہے

دم رک گیا تھا یار دبا آئے خاک میں
سمجھے نہ سدّ راہ غبار محال ہے

سو مشکلوں سے طعنِ عدو پر ہوئی صلح
اب کی لڑے تو قصہ مرا انفصال ہے

اصغر ستم اُٹھاتے ہیں اک رشکِ ماہ کے
نقصان جس قدر ہو ہمارا کمال ہے

جدا ہوئے تم کہ حال بگڑا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
بنی ہے جان حزیں پہ کیا کیا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

جگر جدائی سے گرچہ خوں ہے نہ یادِ وصلت کا غم فزوں ہے
بھلا میں کیونکر نہ یہ کہوں گا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

عدو کے دل میں بھرا ہے شکوہ وگرنہ یوں وقتِ گرم جوشی
زباں سے بیخواستہ یہ نکلا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

نہ تاب و طاقت کا یاں ہے یارا نہ اپنا جینا ہمیں گوارا
نہ دل ہمارا رہا اب ہمارا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

یہ رشک دشمن سے خاک ہونا جو اپنا یاد آئے ہے تو مجھ کو
یہی ہے رہ رہ کے دھیان آتا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

تباہ ہیں عشق میں تو ہم ہیں جو رنج ہے ہجر کا تو ہم کو
تو ہم سے کس منہ سے ہے یہ کہنا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

مری زباں سے کبھی نہ نکلا سمجھ تو دشمن نے مجھ پہ دھر کے

کہا ہی تجھ سے یہ قول اپنا نہ تجھ سے ملتے نہ ایسے بنتے

پسندۂ ضعف و جوشِ سودا بہ کثرتِ یاس یہ تمنا
ہماری جانِ حزیں پہ اصلا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

پھری نظر تیری میری آنکھیں اٹھا لو سر سے تو میں جہاں سے
گناہ ہی اس میں کیا کسی کا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

جو تم سے ظالم کو دل نہ دیتے تو مفت کیوں یہ عذاب لیتے
خطا ہماری بجا یہ بیجا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

موافقت تھی تو جان و تن میں دل و طرب میں موافقت تھی
پر اب جو بگڑی تو حال بگڑا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

وہی ہی گرچہ قلق کا موجب وہی گرچہ تپش کا باعث
ولیکن اصغر کبھی نہ کہنا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

ہی لطف کی نگاہ لگاوٹ کی راہ سے
ظالم فریب ٹپکے ہی تیری نگاہ سے

بیتاب ناز ہائے پئے ہم ہوں بے وفا
تسکیں ہو دل کو کیا ستم گاہ گاہ سے

ہم نے تو کی تھی دل کے ابھرنے کو آہ ضبط
دم ہی نکل گیا مگر اس ضبطِ آہ سے

صرف ہی و صنم میں نہ تنگی ہو غیر ازیں
کچھ اور تو مراد نہیں مال و جاہ سے

ہی عشق اشکِ سرخ و رخِ زرد سے عیاں
ثابت ہوا ہی قول مرا دو گواہ سے

دشمن سے بھی نبھائے تمھاری بلا عبث
ہی اس قدر اگر تمھیں نفرت نباہ سے

جوشِ جنوں میں خاک اڑانے کی حد نہیں
عالم تباہ ہی مرے حالِ تباہ سے

دیکھی ہی ساتھ غیر کے وہ چاندنی ضرور
ہی آج زخمِ دل کو مزہ عکسِ ماہ سے

چاہا نہیں کسی کو جو چاہو تو دیکھ لو
میں تم سے بھی زیادہ ہوں بیزار چاہ سے

لے آہ اُس گلی کی طرف کو اُڑا کہیں
میں ناتواں سبک ہوں کہیں برگِ کاہ سے

اے دل شکن نہ پوچھ کہ گزری ہے دل پہ کیا
اب ہی شکستہ تر تیری طرف کلاہ سے

وہ مہروش زبس مرے دل میں ہے روز و شب
تشبیہہ اپنے دل کو ہے یوسف کی چاہ سے

آنکھیں لڑیں جو اُس سے بڑا دل عذاب میں
پائی سزا کسی نے کسی کے عذاب سے

آنے دے اپنے کوچے سے اصغر اگر وہ بت
نکلیں بھی ہم نہ پھر تو درِ خانقاہ سے

کاہے کو محبت سے مجھے یاد کریں گے
کیا وہ کبھی دشمن پہ بھی بیداد کرینگے

ناصح نہ کہو کچھ کہ نہیں تابِ سماعت
سمجھا دیں جو حضرت مجھے ارشاد کرینگے

دم نکلے ہی اس غم سے کہ گر ہے یہ نقاہت
ہم حشر میں کس طرح سے فریاد کرینگے

اب مرتے ہیں اب مرتے ہیں کہوینگے شبِ غم
یوں شاد ہم اپنا دلِ ناشاد کرینگے

اس فال سے واں جاتے ہی مر جائے تو کیا دُور
تعمیر ہم اب قبر کو شدّاد کرینگے

برباد کیا گھر کو جو وحشت نے تو کیا غم
ہم خانۂ زنجیر کو آباد کرینگے

یاں تک میں نبا ہوں کہ یہ بیداد بھلا دوں
عاشق تھا کوئی ہم پہ وہ تا کیا یاد کرینگے

دلی میں کوئی دشمنِ جاں اب نہیں اصغر
ہم قصد سوئے قلعۂ پرشاد کرینگے

جرم جاناں کیا کہینگے روزِ حشر ایماں سے
دستِ دشمن سے اُٹھایا ہاتھ ہم نے جان سے

نالہ یاں مونہ سے ابھی پورا تو نکلا ہی نہ تھا
آسماں کے اتنے ہی میں اُڑ گئے اوسان سے

دونوں سے عالم تہ و بالا ہی کچھ نالا مرا
کم نہیں لے غیرت ناہید تیری تان سے

تھا ارادے میں خدا کے ساتھ میرے دردِ عشق
آئی ہی مجھ پر خرابی بیشتر سامان سے

خاک ہو کر بھی ترے در سے نہیں جانے کا میں
مدعی سرگوشیاں کرتے ہیں کیوں دربان سے

آپ سے میرے لیے آتش مزاجی، سرکشی
سچ تو یہ ہی بوالہوس بھی کم نہیں شیطان سے

ایک آہِ تیز کھینچی کٹ گئی بندِ حیات
قید مشکل تھی مگر ہم چھٹ گئے آسان سے

ناز کی پر تیغ اُٹھائی اُس نے مجھ پر وقتِ قتل
جھک گئی گردن مری جلاد کے احسان سے

آہ کھینچی کیا خبر ہی آ رہے کب وقتِ سحر
بک بک **اصغر** کب تلک یوں ناصحِ نادان سے

صلاح اغیار سے ناحق میرے خوں کی ستمگر ہی
مرے نزدیک بہتر ہی ترے نزدیک

ہوا جو جان سے تنگ آ کے اُس کو کیا جلاتا تھا
جزا کے دن ہمارا ہاتھ ہی دامان محشر

وہ بیخود ہوں محبت میں کہ ہوش آلدم نہیں آتا
کہاں کا ہجر کیا وصلِ بتاں سب کچھ بر

یہاں دل ہو گیا زندہ ہوا واں رشک سے دشمن
مراجی جانتا ہی جو قیامت تیری ٹھو

ہزاروں جان سے جاتے رہے بس ایک جنبش میں
فزوں تلوار کے چلنے سے ہی رفتا

میری لاف وفا پر کہتے ہیں وہ غیر کو بے جا
کسی نے بے وفائی کی مگر طعنہ کسی

خدا ہی کو ہمارے حال پر رحم آئے تو آئے
عدو سے وہ سوا دشمن فلک اُن سے ہے عا

یہ جوشِ رشک دیکھو دھیان بھی اپنا نہیں جاتا
دل جاناں میں اس باعث کہ وہ ا

زیادہ اُٹھ سکے قاصد سے کب بس کیجئے اصغر
بیانِ شوق لکھیئے گا کہاں تک ایک دفتر ہی

سے
سے

تیری بلا سے دل کو اگر پیچ و تاب ہے
اے زلف خم بہ خم تجھے کیوں اضطراب ہے

وہم و خیال غیر نے بیتاب کر دیا
زہین بار سے مری حالت خراب ہے

سر تا قدم اک آبلہ ہوں اشک گرم سے
ہر عضو کی جگہ مری چشم پر آب ہے

آنکھوں میں ہے مگر نظر آتا نہیں مجھے
آنکھوں کا پردہ روئے صنم کا حجاب ہے

اب تم ہو اور خاطر دشمن سے مجھ پہ ظلم
کل ہم ہیں اور داور روز حساب ہے

اس طرح نکلی حسرت نظارہ دل سے ہائے
یعنی ہیں تیرہ روز ہوں وہ آفتاب ہے

[illegible]رت ہے تجھ کو ایک مجھی سے جہان میں
یاں سب جہاں سے تیرے سلو اجتناب ہے

[illegible]بتاں کا جان پہ صدمہ ہے بعد مرگ
جو زندگی میں تھا وہی اب بھی عذاب ہے

غزل

[illegible]سے زیادہ پاس عدو کا نہ کیجیے
واں میرے ساتھ آپ کو رسوا نہ کیجیے

دم [illegible]سی سے چاہیے جس نے دکھا دیا
جو چاہے آپ کو اسے چاہا نہ کیجیے

اب [illegible] مستیٔ الفت نہ کر سکی
اے دل بلا سے جرات رندانہ کیجیے

اس فا[illegible]ی کی صبح میں ہر دم شب وصال
مجھ سے خدا کے واسطے پوچھا نہ کیجیے

برباد [illegible]ستم میں مزا طرفہ شوق سے
دشمن کا کیجے پاس ہمارا نہ کیجیے

یاں تا[illegible]پنے کی بھی ذرا سیر دیکھیے
ہر لحظہ سوئے غیر نظارا نہ کیجیے

اصغر لکھیں گے ایک غزل تا سبا نہ ہم
کاتب کے ڈر سے خوف عذا کا نہ کیجیے

جرم جا[illegible]ک صنم خانہ کیجیے
اے دل بتا کہ کیجیے یا نہ کیجیے

دل سے خیالِ وصلِ صنم کو نکالیے
آباد گھر کو جی ہیں ہو ویرانہ کیجیے

فریاد دل سے اک ہیں آجائے دم اگر
مذکور راہبان کلیسا نہ کیجیے

ہم رنگ مے سے توبہ پشیمانیوں میں ہے
خونناب چشم تر سے بہایا نہ کیجیے

یاد آئی وقت طوف اگر پیش طاق دیر
محراب کعبہ کو کبھی سجدہ نہ کیجیے

تشبیہ کوی بت سے ہو دوزخ بہ جاں قبول
لیکن خیالِ جنت ماوی نہ کیجیے

تنہا پڑ بیجے تو دے لب ہجر نما پہ دم
جاں دیجیے چارۂ دل شیدا نہ کیجیے

سوز ہیے کھا کے ہجر میں سم شوق سے اگر
غم تیرے ساتھ سونے کا کھایا نہ کیجیے

ہیں اس لیے فقط مری شب زندہ داریاں
روئے صنم کو خواب میں دیکھا نہ کیجیے

دیوانہ بن کے پہنیے زنجیر پاؤں میں
لیکن خیالِ زلفِ چلیپا نہ کیجیے

توبہ بتوں کے ملنے کی توڑوگے لاکھ بار
اصغر ابھی جوان ہو دعوی نہ کیجیے

کیا دل کی بات ساقیِ گلفام پر کھلے
لب میرے بند ہوں وہن شیشہ گر کھلے

قاتل پہ رازِ شوق شہادت اگر کھلے
ٹوٹے کمر کسی کی کسی کی کمر کھلے

مرگ عدو نے اور پریشاں کیا ہمیں
یعنی کہ پھر رہے ہیں وہ ماتم میں سر کھلے

توڑا جنوں کے جوش سے زنجیر و طوق کو
زنداں کے در ہیں ہم ادھر آئے ادھر کھلے

اللہ رے فرطِ شوق کہ دشمن سے بزم میں
تم اُس کے بخت سے بھی کچھ افزود تر کھلے

وہ شوخ جاتے جاتے تماشے کو تھم رہا
آنکھیں مندیں تو میرے قلق کے ہنر کھلے

حیراں ہو آئینہ بھی کہ آنکھیں سی کھل گئیں
تیری قبا کے بند جو اے سیمبر کھلے

الفت میں دردِ دل کی زباں کو خبر کہاں
کہنے سے میرا حال کب اے چارہ گر کھلے

کی التجا سوا کہ زیادہ بڑھے نہ رنج
بیٹھنے وہ ہم سے رک گئے ہم اُس قدر کھلے

اصغر وہ ہرزہ گرد ہی اور ہم شکستہ پا
جاسوس ہمنشیں نہیں کیونکر خبر کھلے

اُن کو ہیں سو عذر یہاں ہم تک آتے ہوئے
اور یہاں گھبرا گیا جی دل کو بہلاتے ہوئے

زیست تو دشوار تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
کہہ گئے ہیں اپنے آنے کی وہ پھر جاتے ہوئے

ہوش آ جائیں تو سمجھوں بات کو اے ناصحو
لے چلو تم اُس گلی میں مجھ کو سمجھاتے ہوئے

اب سمجھ لیوں گے کیا اچھا بہانہ مل گیا
مدعی کو آپ دیکھا ہم نے بہکاتے ہوئے

کوئی تدبیر اُس مسیحا دم کے آنے کی کریں
چارہ گر کس واسطے پھرتے ہیں گھبراتے ہوئے

کر دیا نادم مجھے شرم و حیائے یار نے
غیر کو شرما گئے وہ آنکھ دکھلاتے ہوئے

ہے جفاؤں کی ندامت یا رقیبوں کا حجاب
نقش پا اپنے چلے آتے ہیں شرماتے ہوئے

شام وصل اے بوالہوس مر جا مبادا ہجر ہو
ساعت بد کو نہیں لگتی ہے دیر آتے ہوئے

شمع ساں جلتا ہوں سوز رشک سے یہ دیکھ کر
مہروش کو شمع خاک غیر پر لاتے ہوئے

کیوں مجھے غصہ نہ آئے پاس اتنا غیر کا
آئے وہ تو دور ہی سے مجھ پہ جھنجھلاتے ہوئے

کس طرح اُس کو دکھاؤں پیچ و تاب درد دل
جو الجھتا ہووے اپنے بال سلجھاتے ہوئے

کیوں نہ گھبرا کر اٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
سچ ہے کب دیکھا کسی کو اُس نے مر جاتے ہوئے

ناصحوں کے ہاتھ سے سم کھا کے اصغر مر گیا
ہائے وہ اُس کا موئی جانا قسم کھاتے ہوئے

ہر عیادت آمد جاناں دوا ہوئی
سمجھا فریب وہ جو یکایک شفا ہوئی

افسوس عشقِ کاکل پر خم نہ چھٹ سکا؛ زنجیر پا سے اور بھی وحشت سوا ہوئی
اُس کے خرام ناز کی غفلت کو کیا کہوں خاک اپنی پائمال نسیم و صبا ہوئی
پھر ہائے صور حشر نے بیچین کر دیا؛ تھی بعد مرگ دل کو تسلّی ذرا ہوئی
ہم کو ہمارے دل کا سب احوال کھل گیا جب خون تیرے ہاتھ سے ظالم حنا ہوئی
غم سے گھٹے تو مرتبہ الفت میں بڑھ گیا کاہش ہماری باعثِ نشو و نما ہوئی
ہیں چونک اُٹھا کہ آہ کی تاثیر تو نہ ہو نازل جو آسماں سے زمیں پر بلا ہوئی
نیرنگ عشق ہیں غضب قلب ماہیت تھی جو مری قضا نگہ سرمہ سا ہوئی

اصغر جفا میں یار کی تقصیر کچھ نہیں
ایسے کو دل دیا یہ تجھی سے خطا ہوئی

زنداں میں دل پہ داغ غم کوئے یار رہی بلبل کو یاں قفس میں چمن کی بہار رہی
کرتا ہی کون دیکھیے اب چارہ دیا آتش زنِ سموم دمِ شعلہ بار رہی
گو آنکھ بند ہو گئی پر وا ہی چشم شوق ہے یہ دم نہیں پہ ترا انتظار رہی
اے جوش یاس بس کہ یہاں فرطِ شوق ہی ہے یہ دم نہیں پہ ترا انتظار رہی
اے مہر سوئی آئنہ کیوں چشمِ التفات حیرانیوں کا میری اک آئنہ دار رہی
نظروں میں بس کھٹکے ہی بت تیرے ساز جلیش پھولوں کی سیج بھی مرے بستر پہ خار رہی

اصغر بھلا ہم اب کوئی آتے ہیں ہوش میں
باعث ہمارے عیش کا غفلت شعار رہی

جان کھونے کے سوا کیا ہنر آتا ہی سب مجھے یہی آتا ہی مجھے کچھ اگر آتا ہی سب مجھے

دل میں ایک قطرۂ خوں ہے نہ جگر ہی میں ہے
پاس بے رونقیٔ چشمِ تر آتا ہے مجھے

ترکِ دلدار ہے جاناں کا گلہ کیا ناصح
دل مرا وہ ہے کہ جس سے حذر آتا ہے مجھے

میں تو دیتا ہوں دم اُس قدِ قیامت نے اپر
پند گو آمدِ محشر سے ڈراتا ہے مجھے

کیوں ہے سرگوشیِ دشمن کہ صفائی کے سبب
ہر سخن تیری گلی میں نظر آتا ہے مجھے

تو نے گھبرا کے یہ کیوں کاکلِ مشکیں کھولے
غش تو اب غالیہ مو بیشتر آتا ہے مجھے

آیتیں قربِ قیامت کی پڑھے ہے غمخوار
جب شبِ ہجر خیالِ سحر آتا ہے مجھے

دن کا وہ چین کہاں رات کا وہ خواب کہاں
سوچ رہ رہ کے یہ آٹھوں پہر آتا ہے مجھے

فلکِ پیر سے کیں یارِ جواں سے رنجش
رحم اصغر ترے احوال پہ آتا ہے مجھے

بس کہ رشکِ غیر طبعِ دوربیں پر بار ہے
دل میں آنا اب ترا جانِ حزیں پر بار ہے

کون جیتا ہے سبک ہونے کو نظروں میں بھلا
گر نگاہِ نازِ چشمِ سرمگیں پر بار ہے

لالہ کا کیا ذکر ان کا رنگِ رو کچھ اور ہے
گل کی بو کچھ اور ہے اور اُس کی بو کچھ اور ہے

ہے وفا مطبوع مجھ کو اور جفا تجھ کو پسند
تیری خو کچھ اور ہے اور میری خو کچھ اور ہے

یہ اُٹھا سکتے ہیں ہم اور وہ اُٹھا سکتے نہیں
جورِ جاناں اور ہے رشکِ عدو کچھ اور ہے

سر پہ ہو داغِ جنوں تو ہو گلے میں طوق بھی
زیبِ سر کچھ اور ہے زیبِ گلو کچھ اور ہے

گر ملے حور اے صنم مجھ کو تو محشر میں کہوں
اس سے کیا ہوتا ہے یارب آرزو کچھ اور ہے

سب کے سب ہیں بے تمیز الفت کہاں وحشت کہاں
قیس تھا کچھ اور اصغر اور تو کچھ اور ہے

قتل پر میرے عدو کو کیوں اشارہ کیجیے — آپ ہی تکلیف اک دم کی گوارا کیجیے

کیا لگایا غیر نے میری طرف سے کہیے صاف — راز کو میرے تو مجھ پر آشکارا کیجیے

گر کسی کا حال ہو برہم بلا سے آپ کی — آپ اپنی زلف کو بیٹھے سنوارا کیجیے

کر رہے ہیں وہ تو خنجر تیز اور میں شاد ہوں — یعنی اور ایک لحظہ قاتل کا نظارہ کیجیے

بوالہوس سے میری خاطر اب نہ ملیے عمر بھر — عمر بھر میں ایک کہنا تو ہمارا کیجیے

عشق میں **اصغر** جب اپنا دل ہی بیگانہ ہوا
پھر کسی اور آشنا کا کیا سہارا کیجیے

نزع کا سا ترے بن صدمہ یہاں رہتا ہی — اے مری جان کے دشمن تو کہاں رہتا ہی

ہر بن مو سے ہوا ضبط سے یاں خوں جاری — درد دل کوئی چھپانے سے نہاں رہتا ہی

کبھی دیکھی ہی مگر جذبۂ دل کی تاثیر — کہ میرا دیدہ سوئے درنگراں رہتا ہی

سب کے حصہ کی بلاتا ہی مجھے مے ساقی — عیدیاں رہتی ہی جبتک رمضاں رہتا ہی

ایضاً

ایک دم بے صنم و بادہ نہ گزری اپنی — نہ کبھی توبہ کہ عادت تھی قدیمی اپنی

قتل کو میرے کنایہ سے کہا شب اُس نے — پڑ گئی بزم میں ہر ایک کو اپنی اپنی

امتحاں سے مرے جلد اپنی تشفی کر لو — میں بھی مضطر ہوں یہ کیا چاہوں تسلی اپنی

اجنبی جان کے منہ اُس نے چھپایا ہم سے — ہیچ وہ صورت نہ رہی آج جو کل تھی اپنی

عاشق مست ہوں یہ ہوش کہاں ای مجنوں — کہ جنوں کس پہ ہی اور کون ہی لیلی اپنی

حال کھلتا ترے دل کا بھی مگر تم نے کبھی — ناز سے آئینہ میں زیب نہ دیکھی اپنی

ہوگیا عشق کا چرچا یہ لگی چپ مجھ کو
تم نے کس واسطے آواز سنائی اپنی

تو اور اصغر یہ زبوں حال نزاے کمبخت
کھوئی کیوں تو نے وہ عزت وہ امیری اپنی

نامہ لانا اور ان سے کافر سے
چرخ کو یہ تمیز جور کہاں
دشمنی ہے تو جلد آ ظالم
پارۂ دل نہیں برستی ہے
سادگی بھی تمہاری آفت ہے
چارہ گر خم کا خم پلا مجھ کو
دل گیا سر گیا و لے نہ گیا

معجزہ ہے جو ہو پیمبر سے
مشورہ ہے اسی ستمگر سے
جاں کروں گا نثار زخم پہ سے
جائے اشک ایک دیدۂ تر سے
ہے قیامت بہار زیور سے
زخم دل ہو شراب احمر سے
داغ تو دل سے درد تو سر سے

وعظ مسجد میں کہہ رہے ہیں آج
اصغر عالم بنے قلندر سے

اصغر سے میں نے پوچھی حقیقت جو جاہ کی
کیوں میکدہ سے سوئے حرم لے چلا سپہر

دل پھٹ گیا وہ تھام کے دل اُس نے آہ کی
یارب سزا ملی یہ ہمیں کس گناہ کی

قطعہ

ہمدم خدا کے واسطے جلدی سے لا مری
آنکھوں سے دل کے کم ہو کدورت گناہ کی

مانا کہ واں سے خط نہ لگا اس کے ہاتھ لیک — قاصد کہ پاوں پر تو ہی گرد اُس کی راہ کی

بگڑے ہی وہ سیہ جو کہا ہیں نے چشم کو — بس اب تو بن پڑی فلکِ روسیاہ کی

کہتے ہیں سب مجھے تو پر اتنا نہیں کوئی — اُس سے کہے کہ کیوں نہ سُنی دادخواہ کی

ڈرتا ہوں میں اثر سے کہ تو بے مزا نہ ہو — ورنہ بیاں کروں کہ یہ لذت ہی چاہ کی

ہی روزِ عید چھوٹ کے میخانہ محتسب — کس کو پڑی ہی سیر کرے عیدگاہ کی

قربان یار آکے مجھے مرتے دم کہا
اصغر وہ یاد ہی جو قسم تھی نباہ کی

وہ کہ دشمن کو بھی امیر کرے — حیف ہی گر مجھے فقیر کرے

کھول دی تا وہ زلف کہتا ہوں : — کون ہی جو ہمیں اسیر کرے

ہم تو دل دینے ہی کو پھرتے ہیں — یار بھی کاش کچھ ضمیر کرے

اُس سے خلوت کی کچھ نہ نکلی راہ — مشورے ہم نے گو کثیر کرے

دو کبھی وہ شراب خاص مجھے — جانِ دشمن میں جو لکیر کرے

ہو تو کم سن پہ وہ غضب کہ سلام — دور سے تم کو چرخِ پیر کرے

دل نہ دے جان لے ملے نہ ملے — یار کی جو ہو دل پذیر کرے

عشق میں کام کچھ نہیں آتا : — جمع کوئی زرِ خطیر کرے

جو کیا دل نے مجھ سے عالم میں — نہ کسی سے کوئی مشیر کرے

در پہ بیٹھا ہوں گالیاں کیوں دو — ہو جو ایذا دعا فقیر کرے

ہے کسے تاب سے ہمسری اصغر
منہ کہاں جو مہِ منیر کرے

دی مجھے بے طلب عنایت کی ۔ آج ساقی نے بس کرامت کی
شکوۂ دشمنی کروں پہ جواب ۔ کیا جو کہوے کہ کیوں محبت کی
عیش خسرو کا مژدہٴ شیریں ۔ کوہکن نے عبث مشقت کی
میرے بعد اُس نے ترک جور کیا ۔ یہ بھی خوبی عدو کی قسمت کی
دل نہ توڑو بڑی بنے گی تمھیں ۔ بات بگڑی اگر نزاکت کی
آرزو اپنی کیا جوان موئی ۔ فاتحہ اُس شہیدِ حسرت کی
ستم خاص اُس کا عام ہوا ۔ صبر نے اس جہاں سے رحلت کی
ذکرِ دشمن پہ ہم تو بگڑے تھے ۔ بارے اُس نے بھی آدمیت کی
دے کوئی بادہ گر گرو چاہے ۔ یہہ ہی دستار ہے فضیلت کی
نہ ہوا بار بار پر نہ ہوا ۔ ہم نے دشمن کی بھی اطاعت کی

یارسے بد دماغیاں اصغر
عاشقی میں بھی لو امارت کی

شمع ہنگامِ سحر بزم میں جب گل ہوجائے ۔ حیف نالاں نہ ہو پروانہ کہ بلبل ہوجائے
سر بریدہ ہو قلم ہاتھ ہوں کٹ جائیں پاؤں ۔ قطع امید پہ انساں کو تا بکل ہوجائے
کیا چھپے عشق چھپائے سے کہ گر جیب پھٹے ۔ اتنا چرچا ہو کہ پھر شہر میں اک غل ہوجائے
روتے روتے اسی حسرت میں ہوئیں آنکھیں کور ۔ راحتِ گوش کبھی خندۂ قلقل ہوجائے
دیکھنا دل کے بخارات پہ تسکیں گاہ ۔ گل رکھوں سر پہ تو بس صورتِ سنبل ہوجائے
دل و جاں تاب و تواں صبر و خرد حاضر ہیں ۔ کاش اتنے ہی پہ غمزے کو توکل ہوجائے
یا انھیں بار رہو ہم بزمیِ دشمن یارب ۔ یا کچھ ایسا ہو کہ مجھ کو ہی تحمل ہوجائے

وعدہ آنے کا کیا اُس نے ولے ساتھ | شرط یہ بھی ہو کہ مانع نہ تغافل ہو جائے

آپ اصغر ہیں فقیر اور خدا سے نزدیک
کچھ دعا کیجئے اُس بت سے توصل ہو جائے

ہدفِ تیرِ یار ہو کوئی | ہو تماشا شکار ہو کوئی
ناز جو دل ہو نازنین دلبر | کس طرح ہم کنار ہو کوئی
مرگ ہی انتہا ہے کار وفا | کیوں جیے پھر گزار ہو کوئی
ہے جنوں ذوق ذبح سے پہناؤ | طوق اگر خاردار ہو کوئی
ناوک انداز غمزہ جب جانیں | تیر سینہ کے پار ہو کوئی
صبر و تاب و شکیب سے بگڑی | آ بنی پہ نہ یار ہو کوئی
خاک بھی اپنی واں نہیں اب چین | اس کے در کا غبار ہو کوئی
دیکھے دل کچھ بھی گر مزا پاوے | بیوفا جان نثار ہو کوئی
تم زمانہ کے دوستدار بنے | کس کا اب دوستدار ہو کوئی
جب نہ تب سخت کیوں سنے کب تک | بیگنہ سنگسار ہو کوئی
سرخوشِ جام عشق ہوں جز مرگ | مجھ کو رنج خمار ہو کوئی
در دندانِ یار سے مانا | گوہر شاہوار ہو کوئی
عشق بے آبرو نہ رسوا حسن | آہ کیا اشکبار ہو کوئی
ہم رہے شہر یار میں جیسے | محرم شہر یار ہو کوئی
وصل میں بھی نہیں قرار مجھے | اور کیا بے قرار ہو کوئی
کیا کرے صبر تو ہی کہہ اصغر | جب نہ امیدوار ہو کوئی

لڑتے ہیں وہ پھر آنکھ لڑتی ہے
عشق ہے بنتی ہے بگڑتی ہے

بانک پن اس جوان کا مت پوچھ
نام لیتے زباں اکڑتی ہے

اس سے چندے بنی رہی پر یوں
اب بگڑتی ہے اب بگڑتی ہے

خانۂ دل میں آ بسا پھر عشق
اپنی نگری پھر اب اجڑتی ہے

بیوفا ہاتھ سے جفا کے تری
اب وفا ایڑیاں رگڑتی ہے

دم وصف سخن تراشی یار
خود بخود دل سے بات گڑتی ہے

قافیے اک غزل کے دو بدو کھول
نکتہ میں یوں ہی بات بڑھتی ہے

تیرے عاشق کی سرنوشت ہے وہ
کہ سبق جس کا یاس پڑھتی ہے

تم ہو نازک مزاج یار نہ ہو
تیوری گو مجھی پہ چڑھتی ہے

گم ہے فہرست قتل عام میں کیا
ظالم اصغر جہاں سے بڑھتی ہے

نہ کرے قدر وفا کوئی اگر جاں دیجے
ہے یہ وہ جنس گراں لیجئے ارزاں دیجے

ہائے وہ شرم سے دل لے کے مکرنا تیرا
لاکھ دل ہوویں تو مجھ کو تیرے قرباں دیجے

کیا ہو امید جو سن کے میرے نالے خطاب
مجھ کو ہم نغمۂ طوطی خوش الحاں دیجے

اس کی پس خوردہ جو کچھ درد میسر ہو تو خضر
ہم نہ بدلیں کبھی گر چشمۂ حیواں دیجے

تجھ کو لیلی پہ فدا کرنا تھا اے قیس دریغ
نقد جاں اور پے آہنگ حدی خواں دیجے

حور کہیے کہ پری مہر سمجھیے کہ قمر
کس سے نسبت تجھے اے رشک گلستاں دیجے

کاش مر جائیں کہ تیرا بھی کھٹکا نہ رہے
بد دعا اور تجھے کیا شب ہجراں دیجے

رہ گئی حسرت بیداد تو ہی خاک مری
توسن ناز کو بس رخصت جولاں دیجے

دیکے دل دیکھ لیا حال ہی جو اس پر بھی
ہو جو اصغر تمہیں جان دینے کا ارمان دیجے

کیا برا ہی اگر یہہ خو کیجے / کہ خیالِ رخِ نکو کیجے
عیش دشمن کو دیچکے ہیں رنج / اب رہا کیا جو آرزو کیجے
جان کھونے کو اک بہانہ ہی / ورنہ کیوں دل کی جستجو کیجے
عاشقوں کا قتل تماشا ہی / آپ بھی سیر تو کبھو کیجے
جس کے مژگان سے دل فگار ہوا / وہ نہ دیکھے تو کیا رفو کیجے
جی ہی جب سنتے سنتے خاک ہوا / کب تلک پاسِ آبرو کیجے
وہ ہمارا نہ ہی نہ ہووے گا / مفت برباد آپ کو کیجے
خوب رو زشت خو نہیں ہوتے / سچ سہی اور گفتگو کیجے
دوسرا تم سا آئینہ میں کہاں / دیکھوں پھر سے تو روبرو کیجے
ہو گنہگار جام سے محروم / ہاں مگر رحمت سبو کیجے
مژدہ اے زخمِ جاں کہ جی بس ہی / شکوۂ زلفِ مشکبو کیجے

ہی شہادت کا وقت اے اصغر
آبِ شمشیر سے وضو کیجے

بس اب تو صبحِ قبلۂ حاجات ہو گئی / سجدے پہ سر کو کاٹا مکافات ہو گئی
نکلا نہ دن کو مہر مرے دور میں کبھی / آیا نظر نہ ماہ اگر رات ہو گئی
اے عشق غم کے کھانے میں کچھ بھی اثر نہیں / ضائع ہماری محنت سب اوقات ہو گئی

کیا غم نہ بولنے سے ترے ہم موئے جو یار
کہنے کو دشمنوں کے دلی بات ہو گئی

مرکے چھٹے عذاب سے تعویذ گور کا
تختی برائے دفع بلیات ہو گئی

لوہو کے گھونٹ پیتے ہیں کیونکر نہ روئیں ہم
موسم ہی مے کشی کا برسات ہو گئی

جس کے لیے جدا ہیں ہوا دل سے اے خدا
اس سے بھی آہ ترک ملاقات ہو گئی

کب خالی ہاتھ پاؤں رکھا عشق نے یہاں
حسرت تمام عمر کی سوغات ہو گئی

گھر کس کے روز وعدہ تو بیٹھا کہ منتظر
در پر کھڑے سحر سے مجھے رات ہو گئی

کیا چپ ہم آہ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
گر ناگوار طبع کوئی بات ہو گئی

واں پیچ بڑھ گیا کہ گھٹے غم سے ہم غرض
گزری جو عشق میں سو مساوات ہو گئی

باز آ تو روسیاہ اب اس سرخ پوش سے
رونے سے آنکھ دیکھو تو یاقات ہو گئی

اصغرؔ ہی توبہ کر کے حرم کو چلا گیا
افسوس ہے تباہ خرابات ہو گئی

اوس سے آلپٹے بسالوسن اب اغیار گئی
اپنے اک درد میں پیدا ہوئے آزار گئی

روز روشن کی مرے درد و الم سے پوچھو
جز شب تار ہے اب محرم اسرار گئی

دل کے بازار ہی میں بن گئے ٹکڑے صد حیف
بس کہ شامل تھے رخ و زلف خریدار گئی

یاد ابرو وہ مرا نالۂ شب آہ سحر
کھینچے رہتے ہیں مری جان پہ تلوار گئی

نیم بسمل ہوں تڑپنا تو مجھے یوں مت چھوڑ
ہاں ستمگار خدا کے لیے بس وار گئی

نہ سنو اور کی تم ایک تو سن لو میری
گرچہ کہنی تو ہیں باتیں مجھے لے یار گئی

محتسب خیر ہی درکار تو اس راہ نجا
عسیہ کو رو [illegible] ہیں ... گئی

مضطر نہ کہو کہ صبر میسر ا ہے
آنکھوں نے کہاں سے تم سا دیکھا
ساقی لا مے بہت ہوئی دیر
یارب وصلِ بتانِ نوخط
آئے جو نماز میں وہ کافر
توڑا نہیں عہد بے وفا سے

دشمن پہ کبھی پڑا نہیں ہے
کانوں نے کبھی سنا نہیں ہے
اب ہوش مجھے ذرا نہیں ہے
قسمت میں مری لکھا نہیں ہے
پھر صبر سلام کا نہیں ہے
اُن سا کوئی بادفا نہیں ہے

اصغر سے بھی لوگ کم ہیں تم بھی
بلوا کے ملو برا نہیں ہے

تجھ پر شہید تیغ زن اے تیغ زن ہوئے
کہہ بیٹھے اس کو تشنہ ہیں آہو نگاہ ہم
اپنا بھی دل نہیں جو تمہارے کمر نہیں
شیریں بنی سخن سے ہوئے لب ہی بند آہ
تیروں کو کھینچیو نہ اگر آزما چکا
تیر نگہِ عشق میں بھی ہو گیا قلب اہیت
غربت میں بچ رہے تھے ذلت سے عشق کے
اُس کے خرام ناز کی غفلت کو کیا کروں

بانکوں کی تیرے سامنے نہ بانکپن ہوئے
جب آئے ہوش میں تو نشے بھی ہرن ہوئے
ہم بے زباں ہیں خلق جو تم بے دہن ہوئے
طے جب کہ عذر بوسہ کے سارے سخن ہوئے
بیر حسم جم کے خون سے جز و بدن ہوئے
تھے ولولے جو شوق کے رنج و محن ہوئے
وارد ستم ہوا کہ کئی ہموطن ہوئے
ہم پائمال گردشِ چرخ کہن ہوئے

زلفوں کو اُس کی مشک سے اصغر نہ دے مثال
غش حلقہ حلقہ آہوئے ملک ختن ہوئے

گو قابل امتحان کے ہم ناتواں نہ تھے
پر تیرے ناز تو کبھی دل پہ گراں نہ تھے

کیا شکوہ دشمنی کا وہ پہلے ہی کہتے ہیں
آگر تمہارے حال سے ہم مہرباں نہ تھے

عاشق ہوا ہوں پیری میں اب کیا مذکریں
میں نوجواں تھا جبکہ طالع جواں نہ تھے

بخت ضعیف عشق میں طفلی سے مشیر
لڑکوں کا کھیل جب بھی نہ تھا جب جواں نہ تھے

کیا جانیں کس طرح سے نکالا ہی یار نے
روتے ہیں مجھ کو دیکھ کے وہ بھی جو واں نہ تھے

اس لطف کے نثار کہ اس نے کہا نثار
لائق وگرنہ اس کے بھی ہم نیم جاں نہ تھے

ذکر علاج کشتہ گفتار یار ہیں
چپ ہو رہے مسیح کہ جادو بیاں نہ تھے

برگشتہ بخت ہم سے سبک عشق میں کہاں
کب میں نے پاؤں چومے کہ وہ سرگراں نہ تھے

بن پوچھے کیونکہ حال سناؤں کہ خوف ہے
از خود کہوں کہانی کہیں قصہ خواں نہ تھے

ہم بھی جگر بھی دل بھی ملے ایسے خاک میں
یہ بھی نشاں نہیں کہ کہاں تھے کہاں نہ تھے

کچھ روز حشر بھی شب ہجراں سے کم نہ تھا
لیکن فتور اٹھانے کو یہ آسماں نہ تھے

اصغر غضب ہیں ناز تو اس بت کے آج جو
کم کم ستم رہے ہے تو بہت مہرباں تھے

آنے کا کام کل نہیں پیر جسم آج ہی
جب جی سے جا چکا ہیں تو کب منتہائے ہو

اس لب کے آگے عیسیٰ کو مانیں ولے جواب
یہ اک سوال جو ہیں اپنے علاج کو

ہم نقد جاں بھی دے کے رہے ہیں قید عشق میں
اے قیس ہر جگہ کا جدا ہی جواب ہو

آنا ہی چشم راست سے خوں چشم جیسے اشک
دل لیجئے وہاں ہو خون جگر کا خراج ہو

گر نقد جاں قبول شہنشاہ حسن کو
ملک خراب عشق کا تھوڑا بہت باج ہو

ناصح نمک تلک دہن زخم سے دریغ
تو یہ کرا سے تحمل کرے تنا [illegible] ہو

چھوڑا ہے مجھ میں گریۂ خونی نے خاک اب
آنکھیں تلک سفید ہیں گویا کہ عاج ہے

یہ ضعف عشق میں ہے کہ قدموں تلے ہے سر
جو اپنے زیر پا تھا وہ اب سر کا تاج ہے

ہے تاب لطف کی بھی ترے محو ناز کو
مغرور تجھ کو غیر کی کیا احتیاج ہے

دلچسپ ہیں وہ ہونٹھ نہ دوں جان کیونکہ آہ
تھا لب پہ عذر بوسہ جو کل وہ ہی آج ہے

عشق اُن سے فتنہ گر کا اور اصغر غرور یہ
کیونکر نہ خاک ہو تو فلک پر مزاج ہے

تا بہ قاتل گزر نہیں ہوتی
اے اجل راہ بر نہیں ہوتی

شیخ کیا خوف ہے قیامت گر
یار کی وضع پر نہیں ہوتی

شمع رو لافِ مہربانی اور
شبِ عاشق سحر نہیں ہوتی

نہ سنا اپنا کام کر ناصح
پند اب کارگر نہیں ہوتی

چھٹ چلے تھے عذاب سے شب وصل
تھوڑی دیر اور اگر نہیں ہوتی

ہمسری تیرے پاؤں کی شبِ ہجر
ہم سے رشک قمر نہیں ہوتی

جا ہی پڑتی ہے اُس طرف کو نگاہ
گو کہ مد نظر نہیں ہوتی

نہ رکھا آدمی وفا نے آہ
چاہ حد بشر نہیں ہوتی

اب شکایت ہے دوستی کی غرض
دشمنی سے مفر نہیں ہوتی

تیرے بن دیکھے یاں وہ حیرت ہے
کہ تجھے دیکھ کر نہیں ہوتی

روز ہجراں میں شام کا کیا کام
ہم نفس دوپہر نہیں ہوتی

دے نہ آبِ بقا کہ یہ بھی زیست
خضر بے مے بسر نہیں ہوتی

ہو کے عاشق موا جو آہ نہ پوچھ
شدنی کی خبر نہیں ہوتی

کب خرابی جہان کی اصغر
مہماں میرے گھر نہیں ہوتی

ہی شب مہتاب اور وہ مہر زیب خانہ ہی
بھلہ قران مہر و مہ ہی شب ہشتہ ہو بیمانہ ہو
شادمانی سے موئے ہم گرچہ وعدہ جھوٹہ تھا
دشمنی کہتے ہیں جس کو یار کا یارانہ ہی
میرے دل میں وہ وفا دشمن جفا کیونکر نہ ہو
یعنی ایسے تنگ گھر میں بھی وفا ہم خانہ ہی
سر کو ٹکرایا جو بیحد جا بہ جا بال آ گئے
اپنی کاشانے کی ہر ہر خشت مثل شانہ ہی
پاس ہجراں دیکھنا ہیں شعر میں بھی بیوفا
وصل کا مضموں جو باندھوں سب میں بیگانہ ہی
یار کے ہاتھوں سے مرنا عشق میں وہ جنس ہی
مول ہاتھ آئے ابھی تو نقد جاں بیعانہ ہی
کیا شکایت کر سکوں اس بت کی روز داد آہ
میری پیشانی پہ داغ سجدۂ شکرانہ ہی
لے چلی تقدیر اب بیٹھے بٹھائے دام پور
دیکھیے قسمت میں کس کس جا کا آب و دانہ ہی
کیا موثر ہو دعائے وصل ناممکن ہی بات
عاشقی اور عیش اے اصغر تو کچھ دیوانہ ہی

گر طلب کیجے تو برا کیا ہی
اور کیا خوب ہی ہوا کیا ہی

کہیں جانا ہی تو سدھاریں آپ
ہم غریبوں سے پوچھنا کیا ہی

کہتے آئیں وہ میرے ساتھ اُن کو
کیا خبر تھی کہ اب دعا کیا ہی

تو ہی کہدے کچھ اے مسیحا لب
کہ میرے درد کی دوا کیا ہی

ناز سے سر اُٹھا کے چل لیکن
بے خبر دیکھ پیش پا کیا ہی

بے وفائی پہ تیری مرتے ہیں
ہم نہیں جانتے وفا کیا ہی

آنے ہی محتسب تو آنے دو
بزم میں میری اب دھرا کیا ہی

تجھ پہ مرنا مراد ہی۔ اے جان
اور جینے سے مدعا کیا ہی

سن کے احوال میرا وہ بولے
نہ کہا یہ کہ پھر ہوا کیا ہی

ہوں نہ اعمال بد تو دنیا میں
کام اس روسیاہ کا کیا ہی

درد و غم کے سوا بھی اے اصغر
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہی

تھی نہ ہمسر کہ شرم کی تو نے
دل لیا جان کیوں نہ لی تو نے

اور کیا بے وفائی ہوتی ہی
اب جفا تک تو چھوڑ دی تو نے

کیا گلہ اُن کی دشمنی کا مجھے
کر دیا خاک دوستی تو نے

لاش پہ اثر و ماتم ہی چھوڑا
مجھ کو کس منہ سے بیکسی تو نے

نہیں کہتا ہیں کج مزاج ہی تو
بات سیدھی وہ نہ کی تو نے

شور و افغاں نے کر دیا آگاہ
تو بھی میری خبر نہ لی تو نے

پند گو مجھ کو مت ستا اتنا
اس کو دیکھا نہیں ابھی تو نے

محتسب میکدہ میں یہ فتنے
کون کرتا جو تو خفا ہوتا
ہو بھلا بندۂ فقیر کے ساتھ

آج شاید شراب پی تو نے
نہ کہا کیوں ہنسی خوشی تو نے
گو بُرا ہی کیا سہی تو نے

جان کی دشمنی کا کیا اصغر
نام رکھا ہے عاشقی تو نے

تاریخ تولد فرزند جناب حکیم مومن خاں صاحب مومن

دوست میرے جناب مومن خاں
جانے تو اُس سی شاعری کوئی
کیا نظیری نظیر ہو اُس کا
اُس کو خالق نے اک دیا فرزند
جس کی عمر دراز کو بخشی
سالِ تاریخ کے لیے اصغر
ہاتفِ غیب نے جو بس دیکھی
روئے الہام سے کہا کہ بڑھا
جب حروفِ عدد شمار کیئے

جن کی ادنیٰ صفت سخندانی
کہ وہ مضمون نو کا ہے بانی
اُس کا چاکر نگینہ خاقانی
صاحبِ بخت و جاہِ کیوانی
زلفِ دلدار کی سی طولانی
تھی نہایت مجھے پریشانی
میری واماندگی و حیرانی
ابن شاعر پہ لفظ الثانی
۱۲ ۵۵ ۴۶
کھل گیا تب یہ سرِّ پنہانی

تاریخ عقد ثانی نواب احمد قلی خاں بہادر

یہ نواب احمد قلی خاں نے
گل افشاں و عاوسی ہوہیں نے بھی

کیا ان دونوں بیاہ جو دوسرا
مبارک ہو شادی مکرر کہا
۱۲ ۔۔ ۶۲

یہ اصغر نئی وضع ہے غور سے
ذرا دیکھنا ڈھنگ تاریخ کا

تاریخ یک سفر

جس سفر سے خوش ہوں والدا ہیں بھر
اس لیے سال اس سفر کا یوں کہا

غیر راحت بخش تھا ہمدم کہاں
غربت راحت فزا ہیں غم کہاں
۱۰۴۰ ۲۲ ۹۹
۱۲۵۹ =

تمام شد

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)